لاوا
منظر بھوپالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب ________ لاوا

پرنٹر ________ اے اینڈ ایس پرنٹر ناظم آباد کراچی

قیمت ________ 140 روپے

تعداد ________ ایک ہزار

تاریخ اشاعت مارچ ۲۰۰۱

ناشر ________ سید فرید حسین



ملنے کا پتہ

فرید پبلشرز روم نمبر 9 نوشین سنیٹر نیو اُردو بازار

کراچی فون، 7770057

منظر بھوپالی



لاوا

آئیے اپنی دھرتی کو ہم امن کی برف سے ڈھانپ دیں
اس سے پہلے کہ آتشِ فشاں اپنا لاوا اُگلنے لگے

منظر بھوپالی

# انتساب

محترم محسن بھوپالی

اور

عزیزم محمد ریاض الدین شاہ

کے

نام
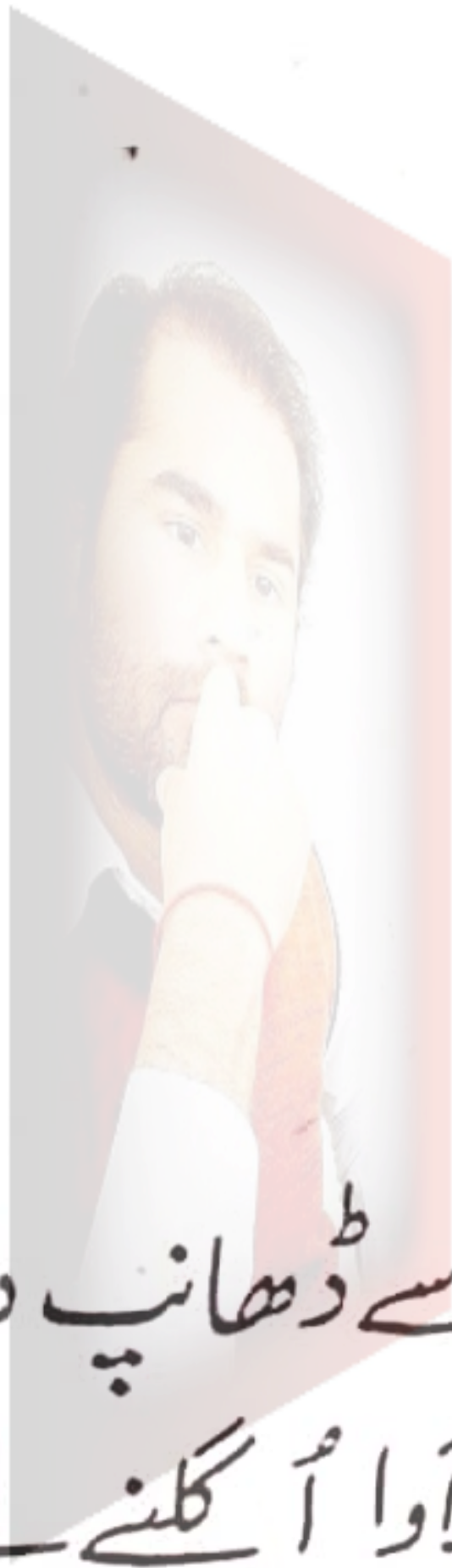
"لوگوں سے اِس طریقے سے ملو کہ اگر مر جاؤ تو تم پر روئیں
اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں"

حضرت علیؑ

# ایک جلتی حقیقت

ہمارا عہد اس وقت ایک بے حد دھماکہ خیز صورت حال سے گزر رہا ہے، فلسطین سے چیچنیا اور کشمیر تک امن کے راستوں پر بارود بچھا ہوا ہے۔ انسانیت کی رگوں میں چنگاریاں ناچ رہی ہیں اور انسانی ذہنوں میں اندر ہی اندر لاوا پک رہا ہے۔ اس لاوے کی تپش تمام حساس لوگ محسوس کر رہے ہیں۔ فنکار جو سماج کا سب سے زیادہ حساس پُرزہ ہے اُسے لاوے کی یہ آنچ کچھ زیادہ ہی جھلسا رہی ہے ۔اس کی آنکھیں آگ میں لپٹا ہوا انسانیت کا مستقبل دیکھ رہی ہیں۔ اس مستقبل کے آئینے میں کبوتروں کی چونچ میں بم اور پنجوں میں ایک منٹ میں لاکھوں گولیاں برسانے والی مشین گنیں دکھائی دے رہی ہیں، مجھے بھی یہ صورت حال بے حد خوفناک محسوس ہو رہی ہے۔ انسانی زندگی کی یہ ارزانی، مطلب پرستی، ہوس پرستی اور اخلاقی گراوٹ انسانیت کو شاید اس تباہی کی طرف دھکیل رہی ہے جس کی جانب قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے، یعنی قیامت! جب زمین اپنا سارا لاوا اُگل کر تا بنے کی ہو جائیگی، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے اور سورج سوا نیزے پر آجائے گا۔

میری شاعری اس دھماکہ خیز صورت حال کا سچا آئینہ ہے۔ میں اپنی شاعری میں عام لوگوں کی چیخیں، سسکیاں، ان کے رنج وغم اور مسائل نظم کرتا ہوں۔ اس لاوا کی شاعری میں کہیں کہیں بچے کی معصوم مسکراہٹوں جیسے یا کسی حسین پیکر کی رنگینیوں سے چمکتے کھلتے جو اشعار دکھائی دیتے ہیں وہ انسان کی فطری اُمیدوں کی کوکھ سے جنم لینے والے اشعار ہیں جو انسانیت کے شجر کو سرسبز دیکھنے کی آرزو مند ہیں۔ ان امیدوں کی آنکھوں پر پھول بندھے ہیں، یہ تتلیوں کے رنگین پروں پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ یہ امیدیں خوبصورت ہیں، خوش آئند مستقبل کی علامت اور آگ کے دریا میں تیر تا سر سبز جزیرہ ہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ جزیرہ آگ کے اس دریا کو ہریالی سے ڈھانپ دے، شاید یہ ممکن ہو جائے۔ ممکن اور ناممکن کے درمیان زندگی کا یہ برزخ ہی میرا عالم تخلیق ہے۔ میں پوری ایمانداری سے اس صورت حال کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔ میں نے اظہار کی سطح پر

شاعری اور اس کی زبان کے تمام تخلیقی خصائص کو حتی الامکان ملحوظ رکھا ہے اور فنی جزئیات پر بھی توجہ صرف کی ہے۔ میرا مطمح نظر ایوان ادب میں داخلے کا کبھی نہیں رہا۔ میں نے ہمیشہ عام لوگوں کے لئے لکھا جو ادب نہیں جانتے، شاعری نہیں جانتے، لیکن اپنی سطح پر محسوس کرتے ہیں، ان پر شعر کی پرتیں نہیں کھلتیں، سیدھے سادھے الفاظ کھلتے ہیں۔ میں الفاظ کی سطح پر ان تک شاعری پہنچاتا ہوں تاکہ وہ شاعری کے ساتھ اُردو زبان سے گہرے رابطے کے لئے بیدار ہوں، ان کی دلچسپی بڑھے اور یہ زبان کاغذ کے ساتھ ذہنوں میں بھی زندہ رہے۔

تعلیمی اور علمی سطح پر کام کرنے والے اردو کے مجاہدین اپنے جہاد میں مصروف ہیں۔ ان کے دم سے مدرسے، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں سرگرم عمل ہیں۔ میں نے اپنی استطاعت کے اعتبار سے شاعری کا مورچہ سنبھالا ہے۔ میں اسی مورچہ پر اُردو زبان کی تبلیغ و خدمت کا فریضہ انجام دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اور میرے بہت سے ہم عصر اور بزرگ شریک سفر اسی راستے پر گامزن ہیں۔ امریکہ، آسٹریلیا، متحدہ امارات، دُبئی، ابو ظہبی، شارجہ، العین، سلطنت عمان، مسقط دوحہ، قطر، سعودی عرب اور پاکستان میں میں نے مشاعرے پڑھے اور وہاں مشاعروں کے واسطے سے ہر سطح پر اُردو زبان کو فروغ پاتے دیکھ کر مجھے بے حد طمانیت حاصل ہوئی۔ مجھے اطمینان ہے کہ عام لوگوں کے لئے لکھی جانے والی میری شاعری کسی نہ کسی طور پر تھوڑی ہی سہی اُردو زبان کی خدمت کر رہی ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ میرا پہلا شعری مجموعہ "یہ صدی ہماری ہے" دوئم، "زندگی" اور "لہورنگ موسم" کے متعدد ہندوپاک ایڈیشن شائع ہوئے اور متذکرہ ممالک میں انتہائی مقبول ہوئے۔ مجھے یہ خوش فہمی کبھی نہیں رہی کہ ان کتابوں کی اشاعت سے میں ادب میں کوئی جگہ بنا سکوں گا۔ میں نے اپنی شاعری کے ذریعے عام لوگوں کے ذہن و دل میں ضرور جگہ بنائی ہے اور یہ اُمید ہے کہ اُردو کے ایک خدمت گار کی حیثیت سے میرا نام کہیں نہ کہیں درج ضرور ہوگا۔

لاوا میرا چوتھا شعری مجموعہ ہے۔ میرے تینوں شعری مجموعوں میں بھی زندگی کی تلخ

حقیقتیں مختلف شعری ہیئتوں میں ڈھل کر سامنے آئیں اور لاوا میں بھی یہی روایت بر قرار ہے۔
میری شاعری لوگوں کے ذہن میں پکتے، دہکتے لاوے کی تپش کا احساس کراتی ہے۔ میں نے اس تپش کو الفاظ کی شکل میں ڈھال کر پیش کر دیا ہے۔ عام لوگ چاہیں تو اس لاوے کو ٹھنڈا کرنے کا سبق میری یا میرے جیسی شاعری سے سیکھ سکتے ہیں۔

آخری سطور میں، میں اپنے والدین کی بے پناہ شفقتوں، ہمشیرہ وبرادران عزیز کی محبتوں نیز اپنی شریک حیات کی پُر خلوص رفاقتوں کو ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اپنے مخلص ادبی ہم عصروں اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کی رہنمائی اور معاونت نے قدم قدم مجھے حوصلہ دیا اور بلندیوں کو چھونے کی ہمت عطا کی۔

منظر بھوپالی

# منظر بھوپالی ـــــ عوام کا ترجمان

آج سے کوئی دس برس پہلے منظر بھوپالی کا پہلا شعری مجموعہ "یہ صدی ہماری ہے" شائع ہوا تھا اور اُس کا یہ پہلا مجموعہ ہی شعری ادب میں اُس کی پہچان قرار پایا تھا۔ اس مجموعے میں شامل اُس کی غزل کے مندرجہ ذیل شعر کو جس قدر مقبولیت حاصل ہوئی تھی اس سے زیادہ تنقید بلکہ نکتہ چینی کا ہدف بننا پڑا تھا۔

کہہ دو میر و غالب سے ہم بھی شعر کہتے ہیں
وہ صدی تمہاری تھی یہ صدی ہماری ہے



"یہ صدی ہماری ہے" کے بعد اب تک اس کے مزید تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ "زندگی" "لہورنگ موسم" اور "لاوا" زیر نظر مجموعہ موخر الذکر مجموعے کا پاکستانی ایڈیشن ہے۔ جسے سید فرید حسین نے اپنے اشاعتی ادارے سے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔



منظر بھوپالی کے فکر و فن کے بارے میں میں نے بہت پہلے اپنی رائے کا اس طرح اظہار کیا تھا جو اُن کے پہلے مجموعے میں شامل ہے۔



"...... منظر بھوپالی جتنا اچھا کہتے ہیں اس سے اچھا پڑھتے ہیں۔ اس طرح ان کے کلام کی اثر پذیری بڑھ جاتی ہے۔ ان کی غزل روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید انداز میں بات کہنے کے سلیقے کی آئینہ دار ہے۔"



"یہ صدی ہماری ہے" کے بعد شائع ہونے والے مجموعوں میں شامل کلام کے مطالعے سے یک گونہ طمانیت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنے شعری سفر میں تازہ دم ہے اور اس کی فکر اور شعور مسلسل ارتقا پذیر ہے۔

"لاوا" کے پیش لفظ میں منظر نے اپنا مطمحِ نظر شاعری کے ذریعے عوام کے دکھ

درد، مسائل اور ان کے احساسات کی ترجمانی کے علاوہ اردو زبان کی تبلیغ اور خدمت کو اپنا فریضہ قرار دیا ہے۔ منظر اپنے اس مشن، اس عہد پر قائم ہے اور اپنے شائع ہونے والے کلام کے علاوہ پاک وہند، مشرق وسطیٰ، امریکہ اور دیگر ممالک میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں بڑے تواتر کے ساتھ یہ فریضہ انجام دے رہا ہے۔ میں بلاخوف تردید یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ہندوستان کی نئی نسل کے شعراء میں منظر بھوپالی کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ اس نے انتہائی دردمندی کے ساتھ نہایت موثر انداز میں سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل کو اپنے اشعار کا موضوع بنایا ہے اور مشاعروں کے ذریعے براہ راست اپنے جذبات اور خیالات کو نہ صرف لاکھوں سامعین تک پہنچانے میں کامیاب رہا ہے بلکہ مشاعرے کی اصطلاح میں اس نے اکثر مشاعرے لوٹے ہیں۔ منظر کے یہ اشعار میرے اس دعوے کی دلیل کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔

در بدر بھٹکا کیا دفتروں کے جنگل میں
بیٹے اُٹھا لینا ڈگریاں جلادینا!

پھر بہو جلانے کا حق تمہیں پہنچتا ہے
پہلے اپنے آنگن میں بیٹیاں جلادینا!

آندھیاں زور دکھائیں بھی تو کیا ہوتا ہے
گل کھلانے کا ہنر بادِ صبا جانتی ہے

باپ بوجھ ڈھوتا تھا کیا جہیز دے پاتا
اس لئے وہ شہزادی آج تک کنواری ہے

ختم ہوجائیں امنگیں یہ ستم مت کرنا
باغبانو! نئی شاخوں کو قلم مت کرنا

منظر کے مندرجہ بالا اشعار "لاوا" سے پہلے شائع ہونے والے مجموعوں سے لئے گئے ہیں۔ لاوا میں شامل غزلوں میں بھی منظر نے نہ صرف شعری معیار برقرار رکھا ہے بلکہ یہاں تک پہنچتے پہنچتے اس کی غزل میں تغزل کا رچاؤ اور گہرا اور زیادہ پُر مایہ ہو گیا ہے۔ اس کے یہ اشعار ہمارے عہد کے سرمایہ غزل میں اضافے کا حکم رکھتے ہیں۔

حسن رسوا نہ ہو تہذیبِ محبت ہے یہی
کوئی پوچھے بھی تو زخموں کو نشانی کہئے

ہجر کو تیرے زمانے پہ اجاگر نہ کیا اپنی تنہائی کو اک عمر کی عادت لکھا
کم نظر سمجھتے ہیں کھیل یہ نظر کا ہے عاشقی تو اے صاحب، روگ عمر بھر کا ہے

صبر تو دیکھو آنکھ میں دریا رکھا ہے
پھر بھی ہم نے خود کو پیاسا رکھا ہے



منظر بھوپالی حفظ مراتب کا قائل اور والدین کی شفقت کا ہر حال میں طالب اور مداح ہے۔ میرے خیال میں اس کی سعادت مندی کو بھی اس کی مقبولیت اور سرخروئی میں بڑا دخل ہے۔ آخر میں اس موضوع پر چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ہمیشہ ٹوٹ کے ماں باپ کی کرو خدمت۔ ہیں کتنے روز یہ بوڑھے شجر نہیں معلوم
ملے جو موقع بزرگوں کی صحبتوں میں رہو۔ پھر ایسے لوگ کہاں روز روز ملتے ہیں
مرے بزرگوں کے کردار اب بھی زندہ ہیں۔ یہ پیڑ وہ ہیں جو گرتے نہیں ہوا سے بھی

محسن بھوپالی

# اے خدا

اے خدا، اے خدا تیرے بندے ہیں ہم
اے خوشی کی دھنک رحمتوں کے فلک
ہم گنہگار ہیں ہم سیہ کار ہیں
تیرے بندے ہیں ہم

زندگی تُو نے دی آگہی تُو نے دی
جب اندھیرے ہوئے روشنی تُو نے دی
تُو نے مٹی کو بھی کر دیا محترم
تیرے بندے ہیں ہم

برف کی وادیاں — میگھ کی بجلیاں
پنچھیوں کی چہک — پیار کی بولیاں
ماؤں کی گود میں — گاتی قلقاریاں
کس قدر ہے حسیں — ہم پہ تیرا کرم

تیرے بندے ہیں ہم



رنگ و خوشبو دیئے — ماہ و جگنو دیئے
خواہشوں کے ہیں — چنچل آہو دیئے
جو نہ ٹوٹیں کبھی — ایسے جادو دیئے
کھیتیاں سبز کیں — کر کے دھرتی کو نم

تیرے بندے ہیں ہم

خواب بخشے حسیں — نیندیں آنکھوں کو دیں
دل کے اس ساز میں — دھڑکنیں بھی رکھیں
کوئی تجھ سا سخی — اے خدایا نہیں
کیسے کیسے کیے — تو نے ساماں بہم

تیرے بندے ہیں ہم

جب کبھی کیں منتیں — مل گئیں عزتیں
تیری رحمت سے ہم — پا گئے عظمتیں
گمرہوں کو ملیں — اس لیے جنتیں
تو نے آساں کیے — راہ کے پیچ و خم
تیرے بندے ہیں ہم

ظلم کے سب دیئے — تُو نے ہی گل کیے
اور ہاتھوں میں یہ — چاند سورج دیئے
عیش دے کر ہمیں — ہم سے دکھ لے لیے
نقش ہے ذہن پر — تیرا اک اک کرم
تیرے بندے ہیں ہم



ایک دن اے خدا — یہ گنہ ہو گیا
وحشتیں چھا گئیں — خون بہنے لگا
سلسلہ چل پڑا — پھر فسادات کا
اس چمن کو لگا — ہائے پت جھڑ کا غم
تیرے بندے ہیں ہم

زندگی کو ملی  ایسی بدصورتی
آدمیت جسے  دیکھ کر کانپ اُٹھی
وحشتیں قتل و خوں  اُف یہ دیوانگی
آج ہم خود پہ ہی  کر رہے ہیں ستم
تیرے بندے ہیں ہم



دولتیں، کرسیاں  بن گئیں سب کی جاں
یہ ہوس کھا گئی  پیار کے آسماں
پھول جلنے لگے  کھو گئیں تتلیاں
باغِ دل بن گیا  جیسے دشتِ الم
تیرے بندے ہیں ہم



اے خدا رحم کر  بھیج رحمت ادھر
پھر بہار آئے گی  ہم کو دے یہ خبر
پیار سے پھر بھریں  گاؤں، قصبے، نگر
رنگ و خوشبو لکھے  پھر ہمارا قلم
تیرے بندے ہیں ہم

تمہارا لہجہ ہو خوشبوؤں سا، ہمارا لہجہ دعاؤں سا ہو
جو دوپہر میں کبھی ہم ملیں تو مزاج ٹھنڈی ہواؤں سا ہو

جو مِل کے بیٹھیں تو اس طرح ہم کہ جیسے انسان مِل رہے ہوں
نہ لفظ نشتر بنیں زباں پر نہ لہجہ کڑوی دواؤں سا ہو

بچاؤں دُنیا کو دھوپ سے میں تمام خلقت کے کام آؤں
مرے خدایا وجود میرا ہرے درختوں کی چھاؤں سا ہو

اُگیں خوشی کے گلاب کیسے، دہکتے شعلوں کی کھیتیوں میں

کبے پکا ہے یہ زندگانی، ہر آدمی جب چتاؤں سا ہو

بچا کے رکھنا انا کی دولت یہی تو پونجی ہے اہلِ دل کی

کبھی بھی اُس سے نہ جھک کے ملنا غرورِ جس میں خداؤں سا ہو



یہ بے ضمیری میں، بے حسی میں یزید و راون سے بھی ہیں آگے

مری دُعا ہے کہ میرا بچہ نہ آج کے رہنماؤں سا ہو

کبھی روزی کبھی وہ آشیانہ چھین لیتا ہے
جہاں ملتا ہے موقع، آب و دانہ چھین لیتا ہے

ہتھیلی پر تری رنگِ حنا کیسے سجاؤں میں
لہو تو سب کا سب شاطر زمانہ چھین لیتا ہے

گھنے جنگل اسی کی زد میں آ کر شہر بنتے ہیں
یہ انساں تو پرندوں سے ٹھکانہ چھین لیتا ہے
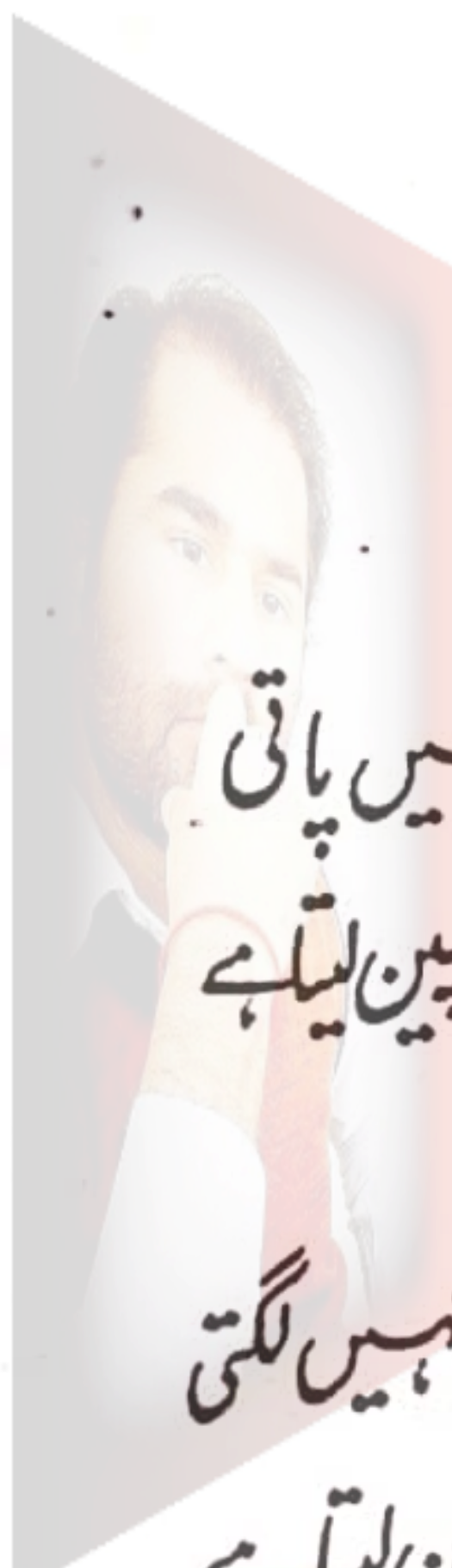
ہمیں اپنی تباہی کی خبر بھی ہو نہیں پاتی
وہ سب خوشیاں ہماری غائبانہ چھین لیتا ہے

اُسے کوئی بھی شئے ہنستی ہوئی اچھی نہیں لگتی
وہ پھولوں کے لبوں سے مسکرانا چھین لیتا ہے

زمانے پر نہیں کیجئے بھروسہ زورِ بازو پر
زمانہ کچھ نہیں دیتا، زمانہ چھین لیتا ہے
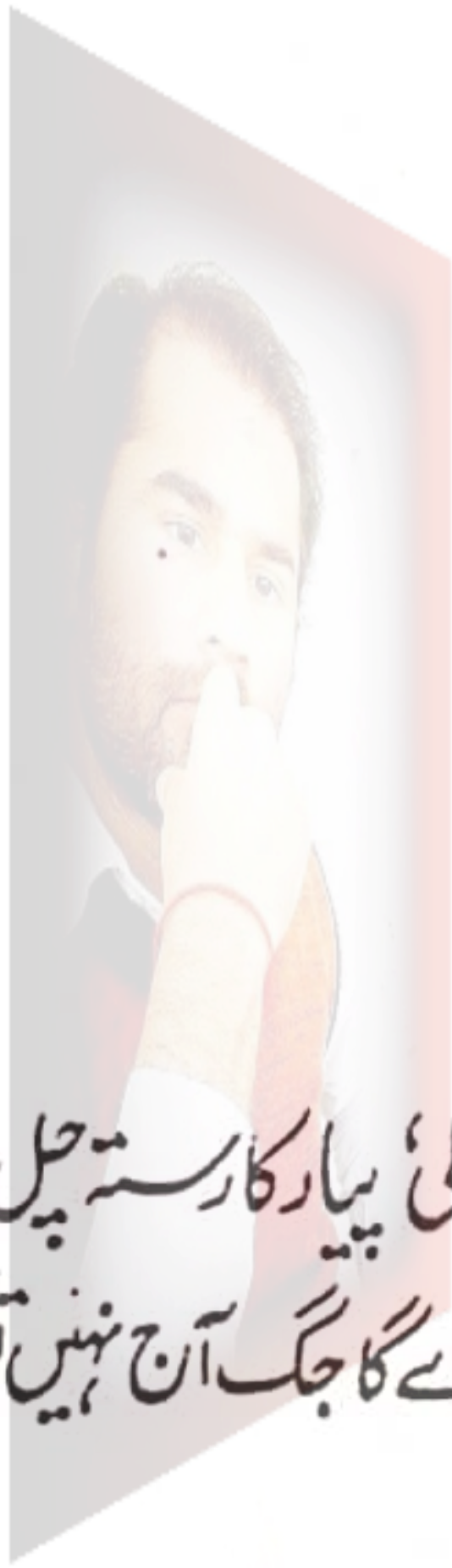
بولی بول دعاؤں والی، پیار کا رستہ چل بابا
اپنی بھول سدھارے گا جگ آج نہیں تو کل بابا

تیری نسلیں شرمائیں گی یار ترے کرتوتوں پر
تیرے کالے کام لکھے گا آنے والا کل بابا

ظلم و ستم کی کھیتی مت کر یوں نشے میں طاقت کے
منصف جان کے اُس مالک نے تجھ کو دیا ہے بل بابا

ہم انسان کہاں جائیں گے ہم کو بتاتا کوئی نہیں
مندر بھی اک موت کا گھر ہے مسجد بھی مقتل بابا



سچائی کو ڈھونڈنے والے بازاروں میں سچ مت بیچ
پوچھ صلیبوں سے سچ کیا ہے زندانوں میں چل بابا

دِل کی درازیں اور بڑھا دیں سازش ہے کچھ لوگوں کی
دِل والے دِل جوڑنے والا ڈھونڈ رہے ہیں حل بابا



ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، یار کی یاری بھائی کا پیار
کتنے پیارے منظر ہو گئے آنکھوں سے اوجھل بابا

خود اپنا جائزہ لو آئینہ آواز دیتا ہے
سُنو زندہ ضمیر و دل میں خُدا آواز دیتا ہے

اُٹھو پھر معرکہ آرائیوں کا وقت آپہنچا
پھر اہلِ صدق کو دشتِ بلا آواز دیتا ہے

جو ہمت کے دھنی ہیں منزلیں اُنکو بُلاتی ہیں
قدم اُٹھنے سے پہلے راستہ آواز دیتا ہے

ہمارے شہر میں انصاف اندھا بھی ہے بہرہ بھی
کوئی سنتا نہیں جب سانحہ آواز دیتا ہے

غزل کے لفظ کاغذ پر تڑپ کر بول پڑتے ہیں
کہ جب خوشبو کی صورت تجربہ آواز دیتا ہے



خود اُن کی بے وفائی چیختی ہے اُن کے چہرے پر
گواہی میں مری حرفِ وفا آواز دیتا ہے



وہ رحمت بن کے اے منظر اُتر آتا ہے دھرتی پر
زمیں سے جب اُسے دستِ دُعا آواز دیتا ہے

خود کو سنبھالو سر پہ دستار گر نہ جائے
تم پر تمہارے گھر کی ہی دیوار گر نہ جائے

سمجھا ہے جس کو تم نے محافظ مرے حضور
اک دن تمہارے سر پہ وہ تلوار گر نہ جائے

اہلِ وطن اب آؤ کہ بیٹھو نہ چین سے
جب تک ہمارے بیچ کی دیوار گر نہ جائے
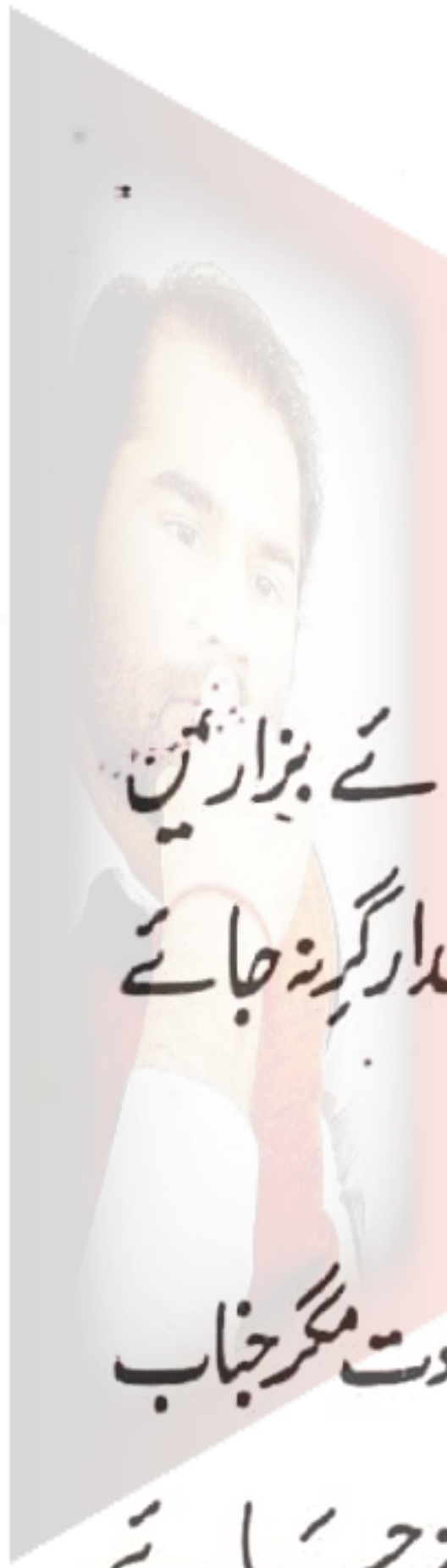
سانجھے کی ہانڈی پھوٹ نہ جائے بزارِ میں
دیکھیں پھر اُن کا کوئی طرف دار گر نہ جائے

اچھی ہے خاکساری کی عادت مگر جناب
اتنا جھکو کہ وقعتِ کردار گر نہ جائے

اُن کی زبان کچھ ہو مگر تم رکھو خیال
تہذیبِ لفظ، لہجے کا معیار گر نہ جائے

وراثت میں اگرچہ میر کا دیوان رکھتے ہیں
مگر اپنے غزلوں کی ہم الگ پہچان رکھتے ہیں

ابھی اپنی حویلی کے درودیوار ھیں باقی
پرانی اس قبا میں بھی پرانی شان رکھتے ہیں

نمائش کی بڑی عادت ہے اپنے رہنماؤں کو
مدد کرتے ہیں تھوڑی سی بہت احسان رکھتے ہیں
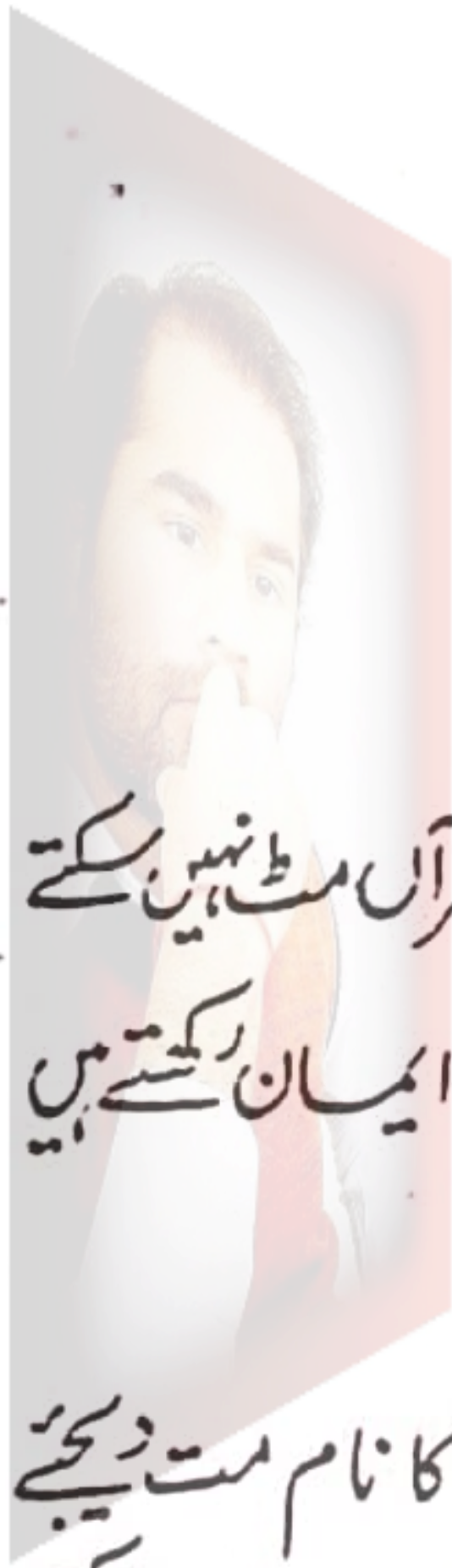
قیامت تک یہ اُمت اور قرآں مٹ نہیں سکتے
یہ ہے قولِ محمدؐ اس پہ ہم ایمان رکھتے ہیں

خموشی کو کسی کی بزدلی کا نام مت دیجئے
جو چپ رہتے ہیں دل میں وہ بڑے طوفان رکھتے ہیں

کوئی آری چلائے تو ہمارے دل پہ چلتی ہے
یہ جتنے پیڑ پودے ہیں یہ منظر جان رکھتے ہیں

وہ چونکنے لگے بے وقت کی ہُوا سے بھی
کچھ ایسے لوگ جو ڈرتے نہ تھے خُدا سے بھی

مرے بزرگوں کے کِردار اب بھی زِندہ ہیں
یہ پیڑ وہ ہیں جو گِرتے نہیں ہُوا سے بھی

دَوائیں پہلے ہی ناکام ہو چکی تھیں مگر
بھرے نہ زخم ہمارے تری دُعا سے بھی

زمانے بھر نے وفاداریاں بدل ڈالیں
ہم اب بھی تیرے رہیں بدلے نہیں ذرا سے بھی

کسی میں اپنی امامت کا حوصلہ ہی نہیں
یہ دورِ سخت ہے ملّت پہ کربلا سے بھی

خلوصِ دل نہ ہو شامل عبادتوں میں اگر
مقدرات بدلتے نہیں دعا سے بھی

یہ تشنگی کی روایت ہمیں سے ہے منظر
ہمارے حصّے میں دریا ہے ہم ہی پیاسے بھی
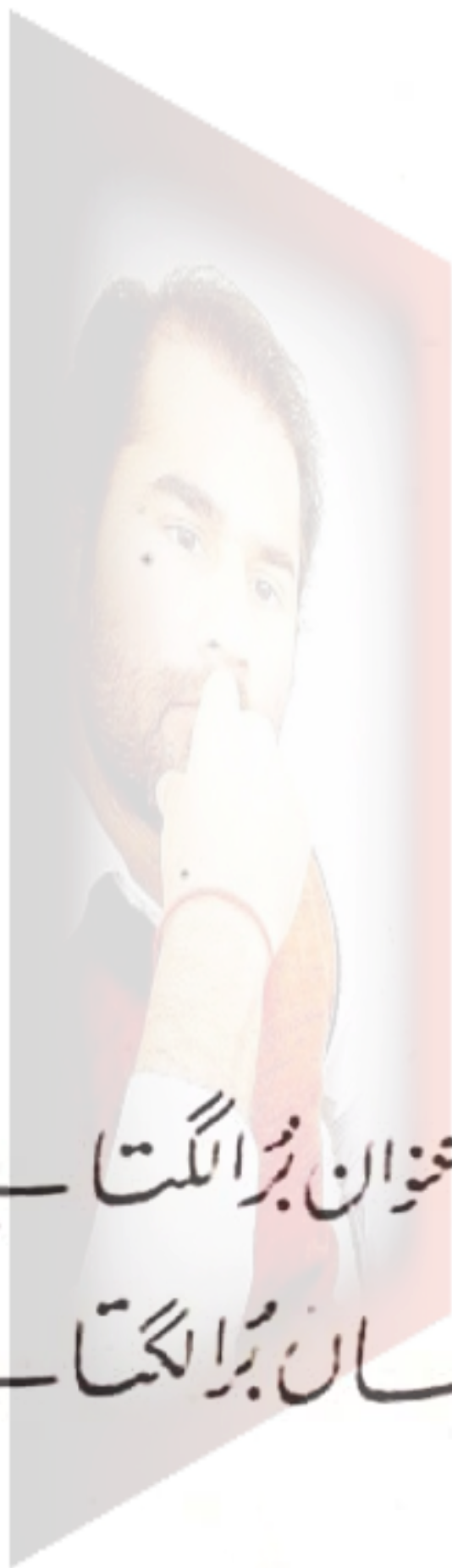
سچ کہوں مجھ کو یہ عنوان بُرا لگتا ہے
ظلم سہتے ہوئے انسان بُرا لگتا ہے

اِس قدر ہو گئی مصروف یہ دُنیا اپنی
ایک دن ٹھہرے تو مہمان بُرا لگتا ہے

ہم مُجاہد ہیں پہ ایمان کی خامی دیکھو
اب ہمیں جنگ کا میدان بُرا لگتا ہے

اِس قدر ڈوبی ہیں ٹی وی میں ہماری نسلیں
اِن کو قرآن کا فرمان بُرا لگتا ہے



میرے اللہ مری نسلوں کو ذلت سے نکال
ہاتھ پھیلائے مُسلمان بُرا لگتا ہے



اُن کی خدمت تو بڑی شے ہے بہو بیٹوں کو
بوڑھے ماں باپ کا فرمان بُرا لگتا ہے



سر تو جھک جاتا ہے اس واسطے منظر مجھکو
ظرف والے کا بھی احسان بُرا لگتا ہے

بے غضب صاحبِ کردار کہے جاتے ہیں
گھر جو توڑیں وہی معمار کہے جاتے ہیں

ہم نے اس ملک کی تقدیر بدل دی لیکن
پھر بھی ہم ملک کے غدار کہے جاتے ہیں

یہ اذیت تو رُلاتی ہے لہو کے آنسو
گھر میں ہم بے در و دیوار کہے جاتے ہیں

زہر کا پیالہ کہ سولی ہیں کچھ بھی دیجئے
ہم صداقت سرِ دربار کہے جاتے ہیں

اُن کی خواہش پہ ہوئے اپنی زمیں کے ٹکڑے
آج جو قافلہ سالار کہے جاتے ہیں



مرثیہ پڑھتے ہیں اُردو کا وہ عالم منظر
وہ جو غالب کے طرفدار کہے جاتے ہیں

کدھر کو جائیں گے اہلِ سفر، نہیں معلوم
وہ بدحواسی ہے اپنا ہی گھر نہیں معلوم

ہمارے شہر میں ہر روز اک قیامت ہے
یہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں معلوم

ڈگر ڈگر پہ ہیں انجانے حادثات کے موڑ
رہے گا جسم پہ کس کس کے سر نہیں معلوم

ہم اپنے گھر میں بھی بے خوف رہ نہیں سکتے
کہ ہم کو نیتِ دیوار و در نہیں معلوم

ہمارا صبر تجھے خاک میں ملا دے گا
ہمارے صبر کا تجھ کو اثر نہیں معلوم

مرے خدا مجھے توفیق دے محبت کی
دلوں کو جیتنے والا ہنر نہیں معلوم

ہمیشہ ٹوٹ کے ماں باپ کی کر خدمت
ہیں کتنے روز یہ بوڑھے شجر نہیں معلوم

سکوتِ درد سے آزاد کرنا چاہتا ہے
پرندہ پیڑ کو آباد کرنا چاہتا ہے

زبان کاٹ دی جاتی ہے اُس مجاہد کی
دلیر بن کے جو فریاد کرنا چاہتا ہے

مرے وجود سے پہچان چھین لی تو نے
اَب اور کون سی بیداد کرنا چاہتا ہے

سخاوتیں ہیں سب اُس کی ذلیل کرنے کو
یہ مت سمجھئے وہ امداد کرنا چاہتا ہے

سُنا ہے اِس کو مِری گفتگو پسند نہیں
سُنا ہے وہ مجھے برباد کرنا چاہتا ہے

محبتوں کی روایت پہ چل کے منظر بھی
بلند عظمتِ اجداد کرنا چاہتا ہے

ماں باپ کی دُعاؤں کا پھل مِل گیا مجھے
یوں ساری مشکلات کا حَل مِل گیا مجھے

ٹوٹے پَروں میں آ گئی قوّت اُڑان کی
آندھی سے زخم کھا کے تو بَل مِل گیا مجھے

پتھر تھا، اُس کے لمس نے ریشم بنا دیا
پھر اِک نیا مزاجِ غزل مِل گیا مجھے

ہاتھوں میں تیرے چہرے کو تھاما تو یوں لگا
جیسے کہ روشنی کا کنول مل گیا مجھے
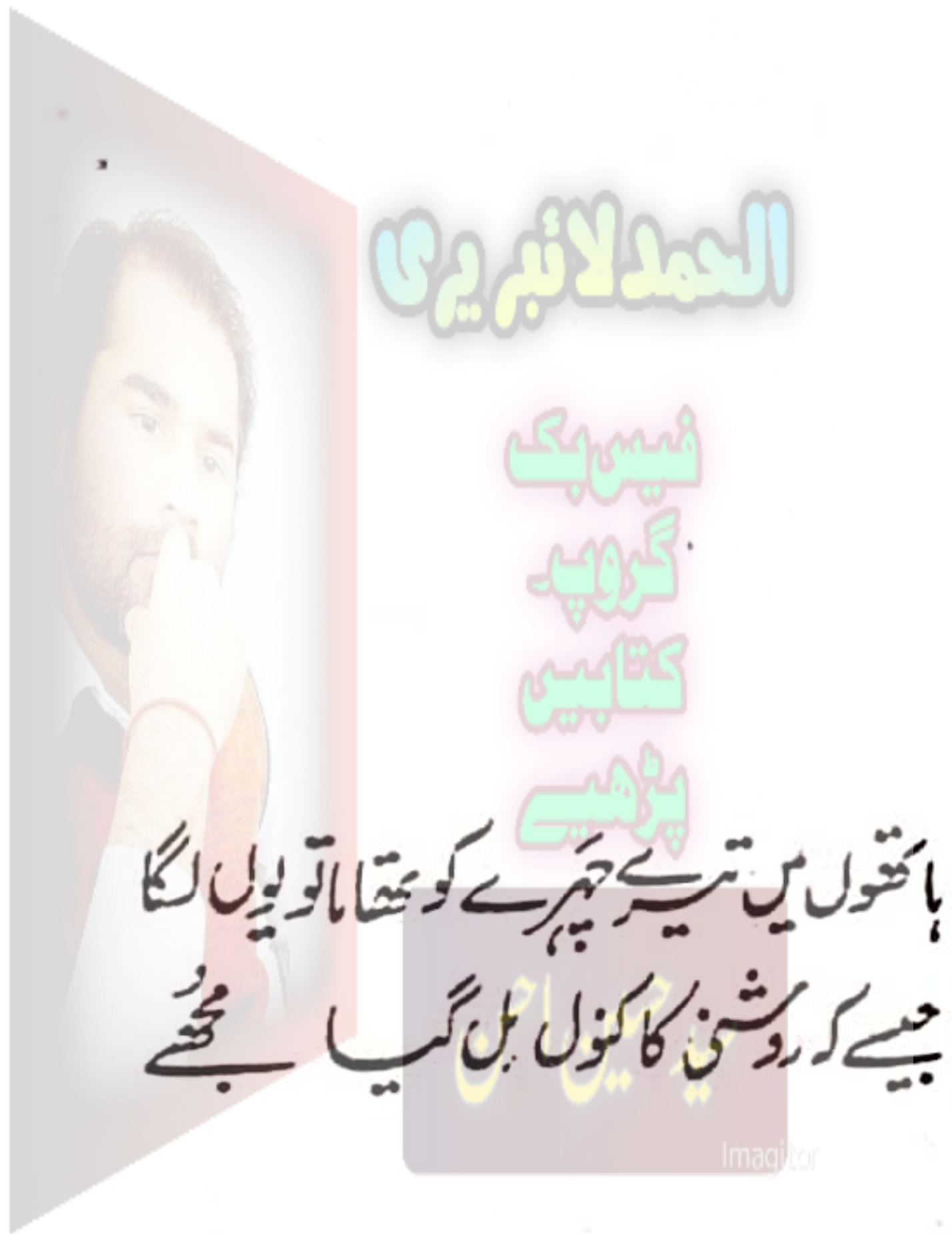
آج اُس نے بھیگی آنکھوں پہ لب اپنے رکھ دیئے
برسوں کے آنسوؤں کا بدل مل گیا مجھے

جب کھل گیا نگہ پہ ترا مرمریں بدن
ایسا لگا کہ تاج محل مل گیا مجھے
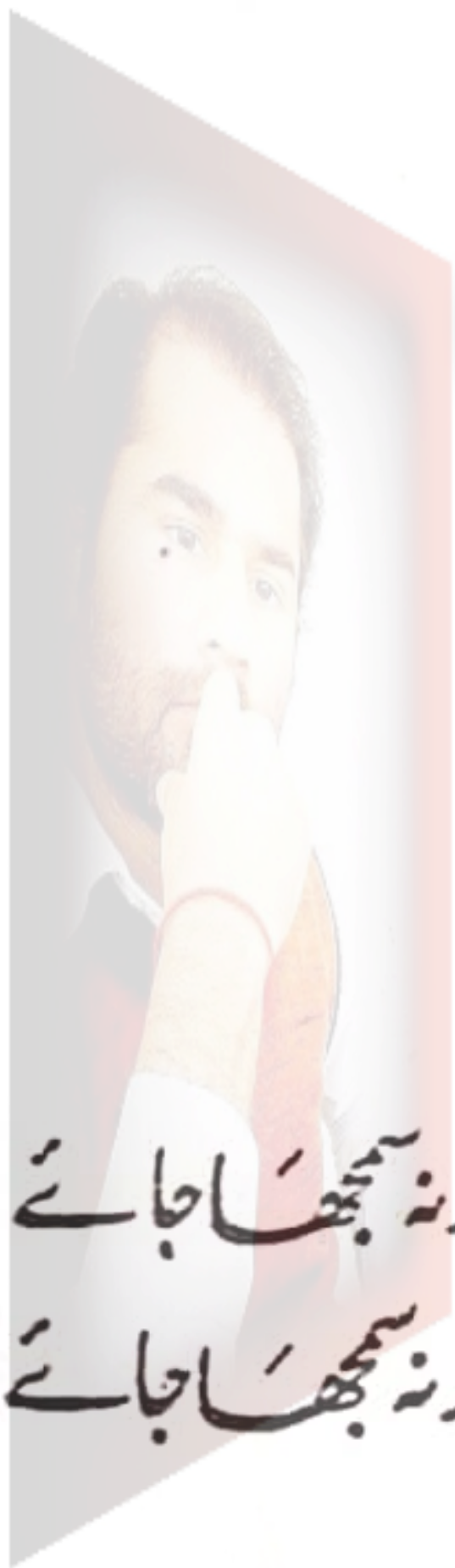
میرا خوں رونقِ بازار نہ سمجھا جائے
میری بربادی کو تہوار نہ سمجھا جائے

ہم بھی اس ملک کی قسمت کو بدل سکتے ہیں
گر ہمیں ملک کا غدار نہ سمجھا جائے

رہنمائی کی بھی کر لیتے ہیں قیمت جو وصول !
اُن ہنرمندوں کو معمار نہ سمجھا جائے

کچھ لکیریں دل میں اُلجھی ہوئی سی قسمتوں کی ہتھیلی ملی ہے
بوجھنے کے لیے آدمی کو زندگی کی پہیلی ملی ہے

خوبصورت گھروں کے نگر میں میری پہچان سب سے الگ ہے
دوستوں کی عنایت سے مجھکو دل کی اُجڑی حویلی ملی ہے

اِس وفا کو بھی میری طرح سے اہلِ کربل سے نسبت ہے شائد
بے وفاؤں کے نرغے میں مجھ کو یہ ہمیشہ اکیلی ملی ہے

مجھ کو لے کر مرے رہنما، کیسی راہوں پہ چلنے لگے
دِل غزل کا سُلگنے لگا، جسم گیتوں کے جلنے لگے

اہلِ ساحل ذرا جاگ اُٹھو اب سمندر بپھرنے کو ہے
کچھ خبر ہے کہ ہر موج کے دِل میں طوفان پلنے لگے

آئیے اپنی دھرتی کو ہم امن کی برف سے ڈھانپ دیں
اس سے پہلے کہ آتش فشاں اپنا لاوا اُگلنے لگے

جنگ ہم جیت جاتے مگر، سانحہ یہ اچانک ہُوا
دوستوں کے تھے خیمے جدھر، تیر اُدھر سے کبھی چلنے لگے

منزلیں تو بہت دُور ہیں، منزلوں تک نبا ہو گے کیا
دو قدم ساتھ چل کر مرے، رنگ تم تو بدلنے لگے

میرے اللہ بندے ترے سرد موسم سے اکتا گئے
ایسا سورج کوئی دے ہمیں برف غم کی پگھلنے لگے

مفلسی میری تذلیل پہ خوں کے آنسو بہانے لگی
جب کھلونوں کی دکان پر میرے بچے مچلنے لگے

وقت سمجھاتا ہے سب کو مری قیمت جانو
مختصر دوستو یہ عمر کی مہلت جانو

رہنماؤ! مرے ہر دھرم یہ دیتا ہے پیام
غم زدہ لوگوں کی خدمت کو عبادت جانو

سامنے سب کے وہ کھُل کر نہ ملے گا تم سے
بے رُخی کو بھی اک اندازِ محبت جانو

در پہ راوؔن کے نہ سجدے کرو جینے کیلئے
اہلِ کردار ہو! کردار کی عظمت جانو

سامنے وہ رہے جب تک نہ ہٹاؤ نظریں
اُس کے دیدار کو نظروں کی عبادت جانو

انتقام اُن کا بجھا دیتا تمہارے بھی چراغ
جل رہے ہیں تو ہواؤں کی شرافت جانو

جب شریعت کی حفاظت کا سوال آجائے
دوستو جان لٹانے کو سعادت جانو

کچھ اس طرح سے ہم پہ ستم کر رہے ہو تم
دُنیا سمجھ رہی ہے کرم کر رہے ہو تم

اشکوں سے آستینوں کو نم کر رہے ہو تم
یہ تو عمل کا وقت ہے غم کر رہے ہو تم

ایسا نہ ہو تمہارا بھی سر ٹھوکروں میں ہو
ہر باوقار سر کو قلم کر رہے ہو تم
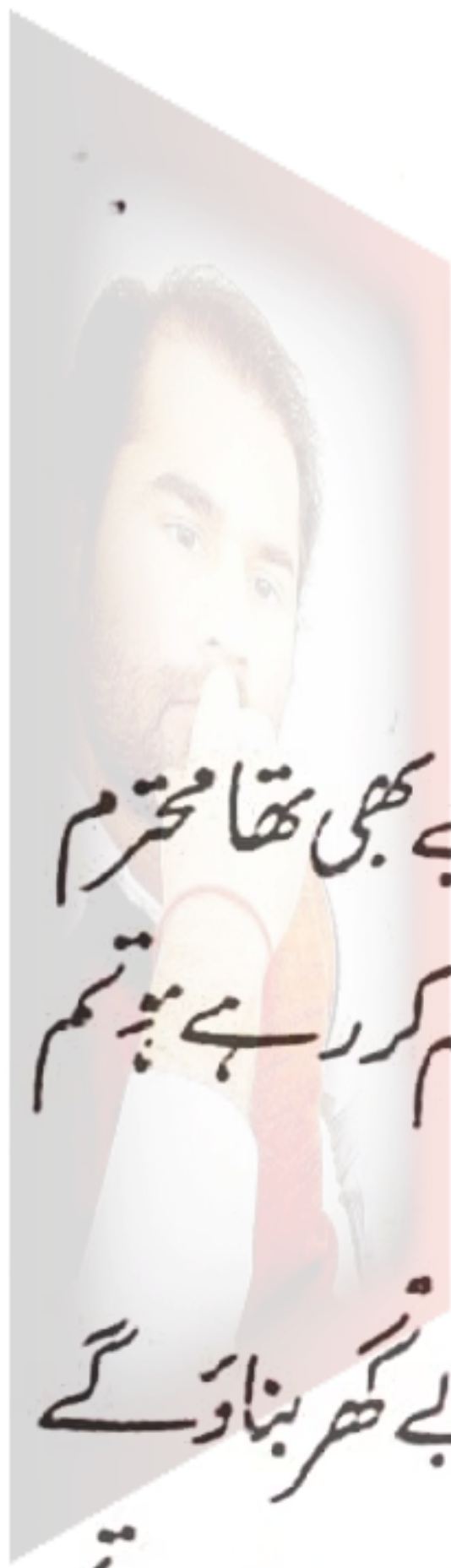
وہ سر جو عظمتوں کے لیے بھی تھا محترم
وہ سر درِ یزید پہ خم کر رہے ہو تم

کیا طائرِ یقیں کو بھی بے گھر بناؤ گے
ہر شاخِ اعتبار قلم کر رہے ہو تم

تن پر رہے لباس نہ روٹی ہو پیٹ میں
مہنگائی اس طریقے سے کم کر رہے ہو تم

ہم ایک کیسے ہوں ہم پر کرم ہے اوروں کا
ہمارے بیچ میں اَب تک قدم ہے اوروں کا

جو اپنے لفظوں سے بھڑکا رہے ہیں دُنیا کو
یہ ہاتھ وہ ہیں کہ جن میں قلم ہے اوروں کا

اُسے تو بھوک کا احساس ہی نہیں ہوتا
وہ کیسے سوچے کہ خالی شکم ہے اوروں کا
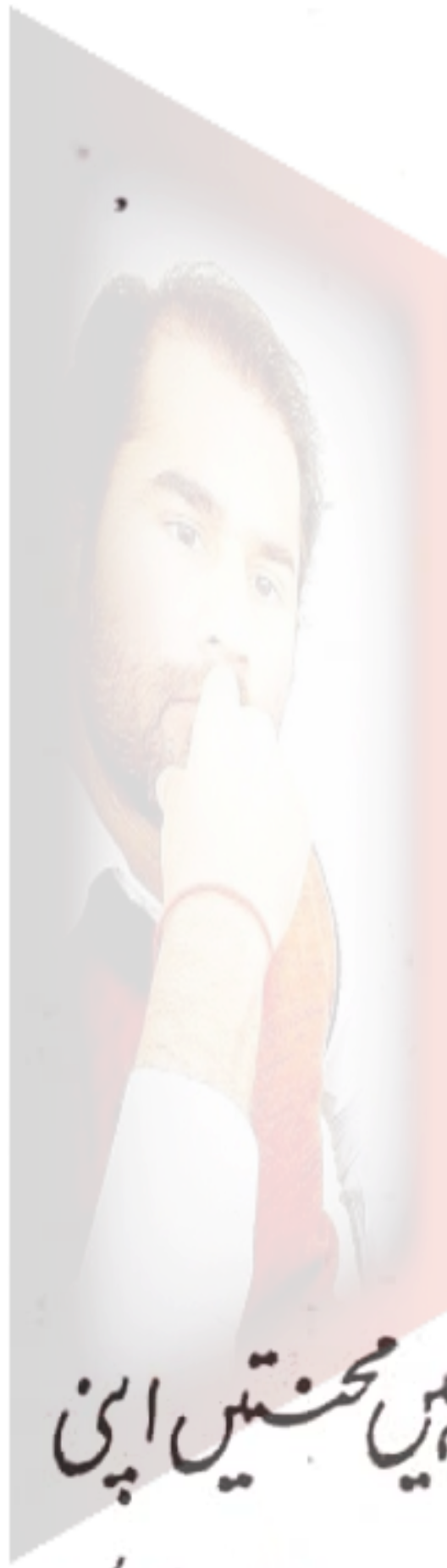
امیر ملکوں میں بکتی ہیں محنتیں اپنی
گھٹا ہماری مگر کھیت نم ہے اوروں کا

مرے دکھوں کے یہ آنسو نہیں قسم لے لو
چمک رہا ہے جو آنکھوں میں غم ہے اوروں کا
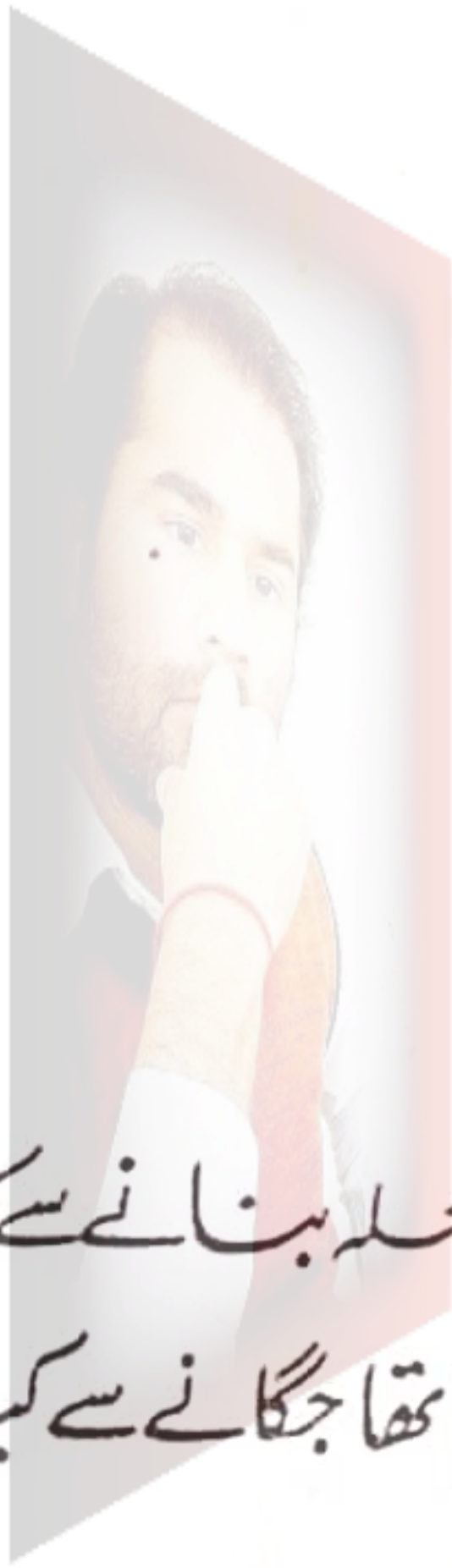
چنگاریوں کو شعلہ بنانے سے کیا ملا
طوفان سو رہا تھا جگانے سے کیا ملا

تُم نے بھی کچھ دیا ہے زمانے کو سوچنا
شکوہ تو کر رہے ہو زمانے سے کیا ملا

آندھی ترے غرور کا سَر ہو گیا بلند
ورنہ تجھے چراغ بجھانے سے کیا ملا

حق اپنا چھیننے کا ہُنر سیکھئے جناب
چوکھٹ پہ اُن کی شور مچانے سے کیا بنا

خارشِ انتقام کی ہے بات ہی کچھ اور
یوں آسمان سَر پہ اُٹھانے سے کیا بنا



برباد تھے جو، اور بھی برباد ہو گئے
تم کو امیرِ شہر بنانے سے کیا بنا!

خرابیاں مرے اندر بڑی مثال کی ہیں
خدا کو جیت لیا، لغزشیں کمال کی ہیں

تجھے نماز سے رغبت نہ علم و قرآں سے
کہ تجھ میں جتنی علامات ہیں زوال کی ہیں!

غزل میں ہوتی ہیں روشن بڑی ریاضت سے
عجیب ضدی یہ پرچھائیاں خیال کی ہیں

غرورِ حُسن اُسی کو تو زیب دیتا ہے
اَدائیں یار میں سب سے بہت کمال کی ہیں

خوشی کے چاند ستارے کہاں چمکتے ہیں!
ہمارے شہر میں سب ساعتیں مَلال کی ہیں

حسد ہُوا ہے گلوں کو مِرے مہکنے سے
مِرے بدن میں گھُلی خوشبوئیں وِصال کی ہیں

لگی لگی ہیں ابھی نشتروں کا موسم ہے
ابھی رُتیں کہاں زخموں کے اندمال کی ہیں

راکھ نہیں، دِیا نہیں، برگ نہیں، شجر نہیں
مَیں تو چراغِ درد ہوں، مجھ کو ہوا کا ڈر نہیں

جن پہ بہار آئی ہے اُن کو خزاں کا خوف ہو
ہم تو خزاں نصیب ہیں ہم کو خزاں کا ڈر نہیں

اپنے چمن کو کیا ہوا، اُجڑے ہوئے ہیں پیڑ سب
پھول نہیں، مہک نہیں، برگ نہیں ثمر نہیں

جیسے تمام حادثے یوں ہی سی کوئی بات تھے
چہرے بھی بے ملال ہیں، آنکھ بھی کوئی تر نہیں

وقت کے پل سے پوچھیے بہہ گیا پانی کس قدر
آپ کا میرا ذکر کیا، وقت کو خود خبر نہیں

جو بھی ہے اپنے عہد میں آدھی ادھوری چیز ہے
پتے بھی پیڑ بھر نہیں، پھول بھی شاخ بھر نہیں

یہ ہے مقامِ زندگی، رکیے تو ایک دو گھڑی
یوں ہی گزر نہ جائیے، دل ہے یہ رہ گزر نہیں

منظرِ امیرِ شہر کی دیکھ ذرا یہ حکمتیں
جن کے لیے ہے آسماں، ان کیلئے ہی پر نہیں

لاوا

شناخت اپنی بچالو اب کبھی نثار کر ڈالو اپنی جانیں
گھروں میں بے فکر سونے والو! پکارتی ہیں کہیں اذانیں

ہم اپنے کچے گھروں میں خوش ہیں خدا امیری کا دکھ نہ دینا
لہو میں ڈوبی ملی ہیں ہم کو حسین محلوں کی داستانیں

اگر جہادِ عمل نہ ہوگا تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا
تجارتوں کے لیے کھلی ہیں یہاں دعاؤں کی سب دکانیں

بھرے ہیں تیروں سے اپنے ترکش، مگر حریفوں نے دوست بن کر
بڑی سیاست سے توڑ ڈالیں ہمارے حصّے کی سب کمانیں

مُعاف کرنا زبان والو! زبانیں سب محترم ہیں لیکن
ہمیں تو اُردو زباں کے آگے لگی ہیں پھیکی سبھی زبانیں



اِدھر چمن ہیں محبتوں کے سجی ہیں اُس سمت رزم گاہیں
حضور جانا ہے کس ڈگر پر یہ آپ سمجھیں، یہ آپ جانیں
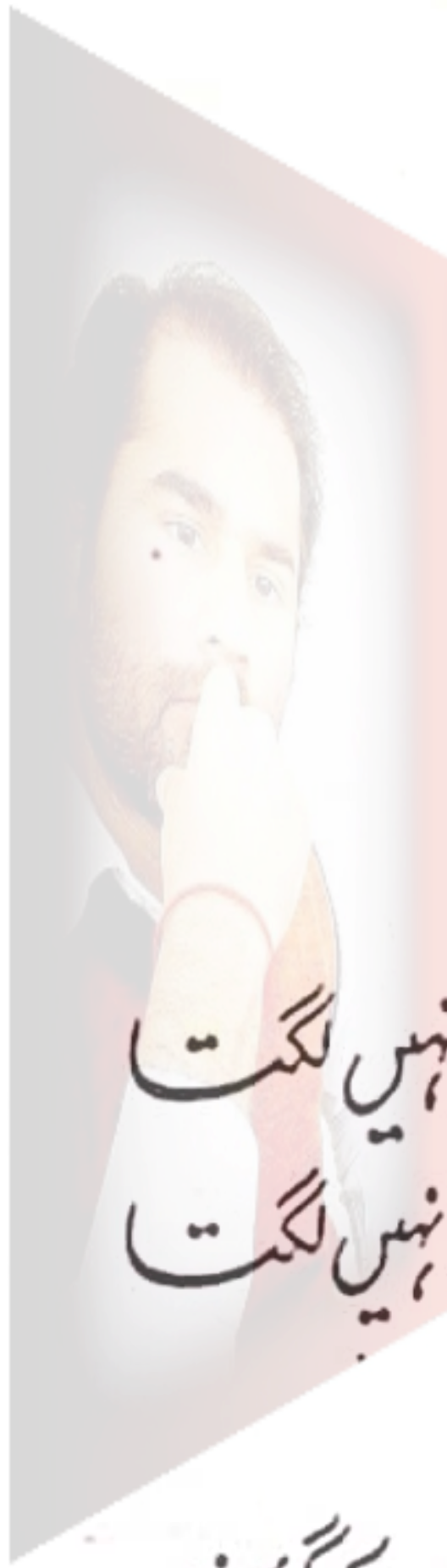
لہجہ اپنوں کا ہے یہ دیکھ کر اچھا نہیں لگتا
ہمیں جھوٹی انا کا یہ سفر اچھا نہیں لگتا

بڑے شہروں کی رونق اُس کو اندھا کر گئی شاید
پلٹ کر گاؤں آیا ہے تو گھر اچھا نہیں لگتا

تُو اپنے سارے آنسو لا مجھے سوغات میں دیدے
ترا چہرہ رہے اشکوں سے تر اچھا نہیں لگتا

امیرِ شہر نے یوں کی ہمارے سر کی فرمائش
یہ مقتل ہے یہاں شانوں پہ سر اچھا نہیں لگتا

وطن کے نام پر بیٹوں کے سر بھی دیدیئے جس نے
ہمارے عہد کو اب وہ ظفر اچھا نہیں لگتا
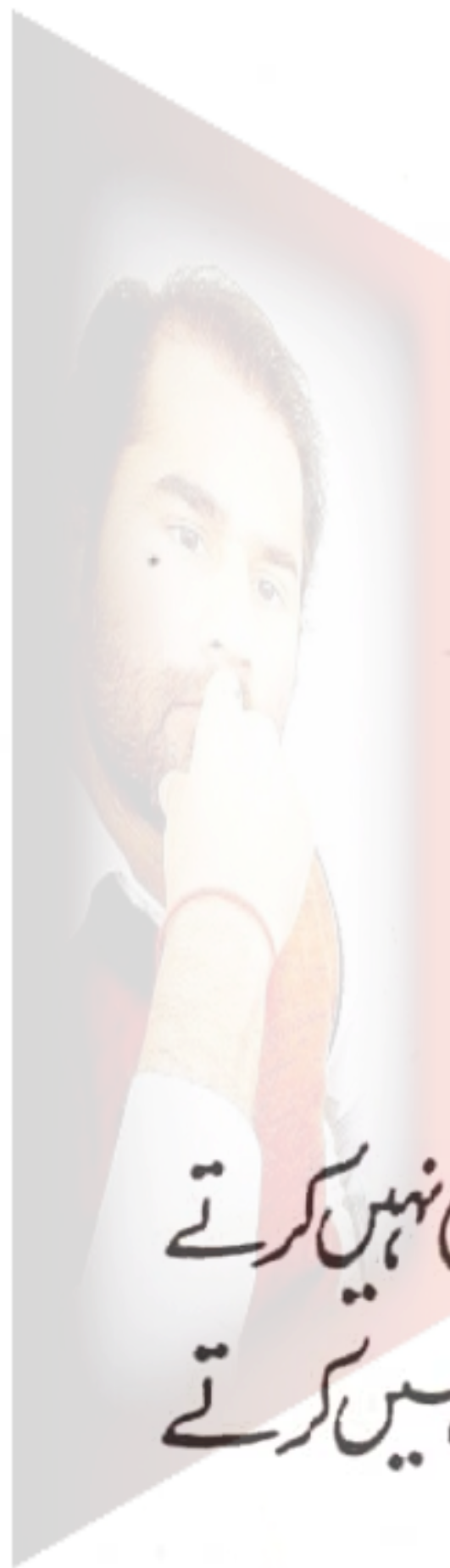
مُنافق بَن کے ظالم کی طرفداری نہیں کرتے
وَفا کرتے ہیں اہلِ حق اداکاری نہیں کرتے

تمہارے فیصلوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں دل
سُنا تھا رام کے بندے دِل آزاری نہیں کرتے

زمانے تیرے دامن پر یہ آرائش نہیں ہوتی
لہو کے آنسوؤں سے ہم جو گُل کاری نہیں کرتے

لڑانا، بانٹنا اِن حکمرانوں کی سیاست ہے
محبت کا کوئی فرمان یہ جاری نہیں کرتے

ہمیں یارو! ہمیشہ ہی ڈبوتی ہے یہ نادانی
کہ ہم طوفان سے لڑنے کی تیاری نہیں کرتے

بہت ہی سیدھے سادھے لوگ ہیں میرے قبیلے کے
وفاداری تو کرتے ہیں اداکاری نہیں کرتے

مُسلمانوں کو آتا ہے وفاداری پہ مِٹ جانا
کبھی بھی اپنی مٹّی سے یہ غدّاری نہیں کرتے

ہوا کیا ہے کہ سن کر بھی اذاں خاموش بیٹھے ہیں
سفر ہے سر پہ میرِ کارواں خاموش بیٹھے ہیں

یہ کیسی بے حسی ہے پتھروں کو شرم آتی ہے
زباں کے قتل پر اہلِ زباں خاموش بیٹھے ہیں

پرندو اس خموشی کو فضائے امن مت سمجھو
نشانہ باندھ کر تیر و کماں خاموش بیٹھے ہیں

یہاں جاری ہیں ناانصافیاں بھی، ظلم بھی لیکن
قیامت ہے کہ حق والے یہاں خاموش بیٹھے ہیں

وطن میں انقلاب اب تک کبھی کا آگیا ہوتا
ستم سہہ کر مگر پیر و جواں خاموش بیٹھے ہیں

تباہی پر مری غصّہ کسی کو بھی نہیں آتا
سبھی ہمدرد، سارے مہرباں خاموش بیٹھے ہیں

یہ کیسا شہر ہے، کیسے مکیں ہیں، کیسے انساں ہیں
کہ سب جلتے گھروں کے درمیاں خاموش بیٹھے ہیں
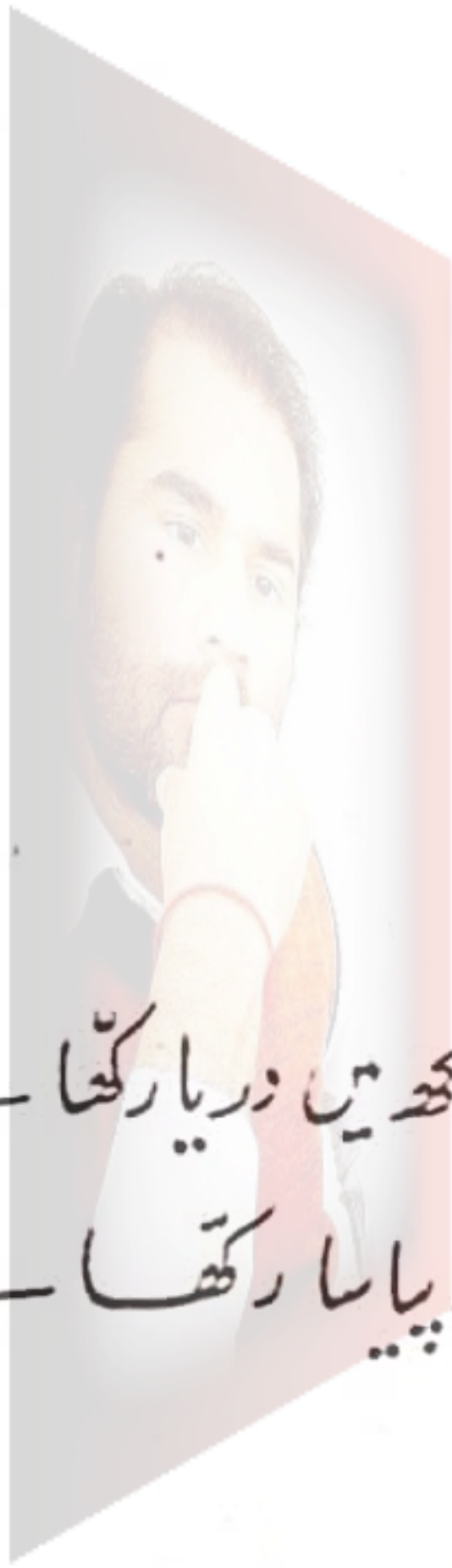
لآو

صبر تو دیکھو آنکھ میں دریا رکھا ہے
پھر بھی ہم نے خود کو پیاسا رکھا ہے

انسانوں سے پیار ہمارا مسلک ہے
ہم نے سب سے درد کا رشتہ رکھا ہے

ساری سزائیں نام ہمارے لکھدی ھیں
اس کے سامنے جب آئینہ رکھا ہے

اونچے اونچے کھیل سیاست والوں کے
سب کو کھلونے دے کر بہلا رکھا ہے

غیرت مند ہیں کتنے غربت والے بھی
فاقے میں کہتے ہیں روزہ رکھا ہے

عظمت اور بزرگی اُس نے پائی ہے
جس نے بھی کردار پہ پہرہ رکھا ہے

کیسے کیسے رنج اُٹھائے تِمت نے
مر کر اپنے آپ کو زندہ رکھا ہے

کس بستی میں کیا کیا کام دکھائے گی
اُس نے ہوا کو سب کچھ سمجھا رکھا ہے
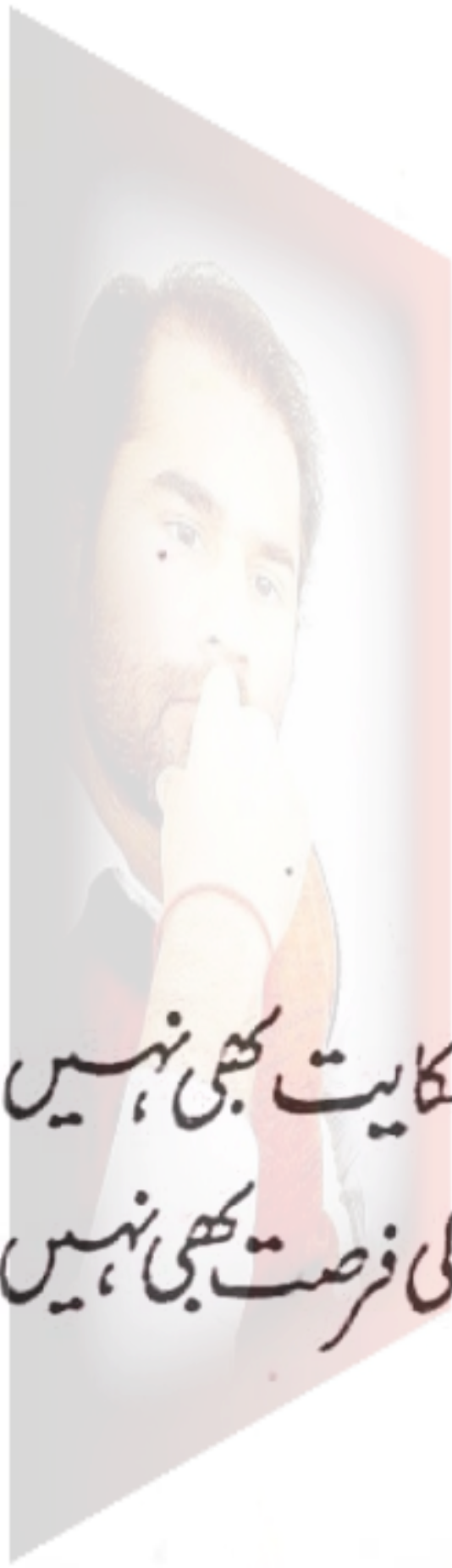
اپنے ہونٹوں پہ شکایت بھی نہیں
اور انھیں سُننے کی فرصت بھی نہیں

عشق میں ڈوب چکے ہیں اتنے
اب سنبھل جانے کی مہلت بھی نہیں

بن گیا اب میں حدوں کا قیدی
اب تو بس میں مرے ہجرت بھی نہیں

ھم کہ مٹی کا کھلونا ہی تو تھے
تم نے توڑا تو شکایت بھی نہیں

میرے پہلو میں وہ بیٹھے ہیں مگر
پیار کرنے کی اجازت بھی نہیں

آخری جنگ کرو قاتل سے
اور کوئی بچنے کی صورت بھی نہیں

آپ ہو جائیں مرے غم میں شریک
اتنی اچھی مری قسمت بھی نہیں

محبت کی طرح اے یار رہنا
رہو تو بے در و دیوار رہنا

کبھی کردار اپنا مت گنوانا
ہمیشہ بن کے عزت دار رہنا

غموں کے دور میں ہنسنا غموں پر
خزاں کی رت میں تم گلزار رہنا
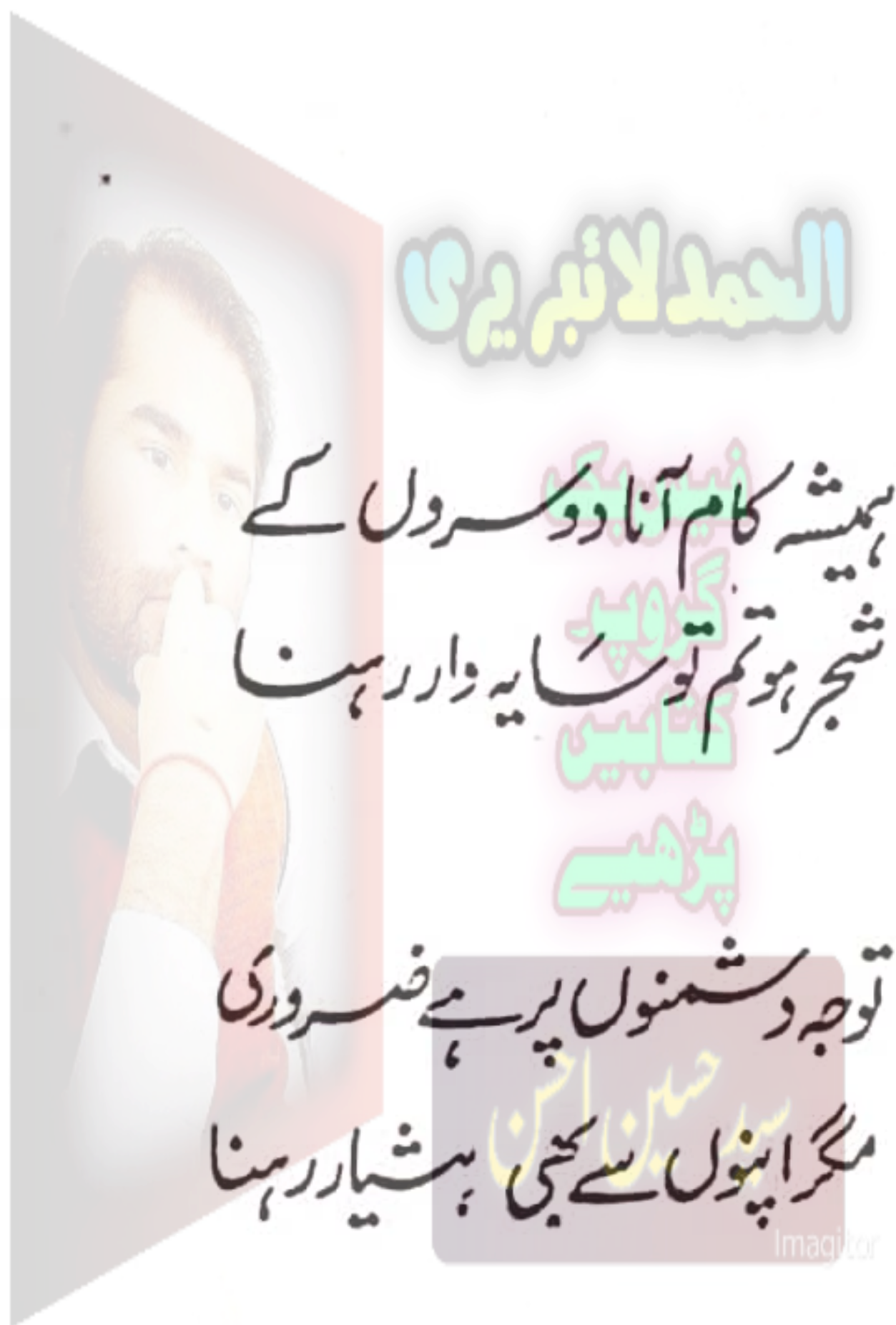
ہمیشہ کام آنا دوسروں کے
شجر ہو تم تو سایہ دار رہنا

توجہ دشمنوں پر ہے ضروری
مگر اپنوں سے بھی ہشیار رہنا

کھٹکتا ہے بہت دشمن کو میرے
میرا حق دار، دعویدار رہنا

یہاں شب خون پڑ جاتے ہیں اکثر
ذرا سونا، ذرا بیدار رہنا

چمن میں خون کے گُل بوٹے مہکانے کا موسم ہے
یہ رُت ہے سُرخروئی کی، یہ مرجانے کا موسم ہے

انہیں دو موسموں کے بیچ اُس نے ہم کو باندھا ہے
ابھی آنے کا موسم تھا، ابھی جانے کا موسم ہے

مگر میں اجنبی دھرتی پہ تنہائی سے بوجھل ہوں
یہ پورے چاند کی شب ہے تجھے پانے کا موسم ہے

میرے شہر کے ظلموں سے یہ راحت ہے، کچھ دن کی
یہ خوشیوں کا نہیں، یہ دِل کے بہلانے کا موسم ہے

غلامی کا نہ رکھو بوجھ تم معصوم بچّوں پر
یہ موسم خوشبوؤں، پھولوں کے اِترانے کا موسم ہے

یہاں تو پیڑ سارے کٹ گئے، سائے نہیں مِلتے
ہوا کہتی ہے شاخِ جسم لہرانے کا موسم ہے

سمٹ آئی ہیں اِس جملے میں اِس کی ساری فریادیں
لکھا ہے خط میں اُس نے اَب تو گھر آنے کا موسم ہے

کہا یہ اُس نے کہ موسم سہانے آئیں گے
کچھ انتظار کرو دن پرانے آئیں گے

ملیں گی راہ میں پھر صورتیں غزل جیسی
کہ چاند آنکھوں میں پھر جگمگانے آئیں گے

کہا یہ اُس نے جو ہم بات اُس کی ٹال گئے
خبر نہ تھی کہ تمہیں بھی بہانے آئیں گے

کہا یہ میں نے کہ اے گُل بدن چمن میں نہ جا
کہ پھول تیری قبا کو چُرانے آئیں گے



ہمیں شرف تو مِلے اس سے ہم کلامی کا
معانی خود ہی معانی بتانے آئیں گے



تمہارے چلنے کا انداز دیکھنے کے لیے
تمہارے پیچھے اب اگلے زمانے آئیں گے



پَروں کو تیغ بنا کر اُڑیں گے ہم جس دِن
ہوا کے ہوش اُسی دِن ٹھکانے آئیں گے

ہمیشہ اپنے ہی احباب پر نظر رکھیئے
کبھی چراغ، کبھی گھر جلانے آئیں گے

اپنے ہر اک پر کو تیغ بنا دیں گے
اب کے ہواؤں کا قرض چکا دیں گے

راکھ نہ ہوں گے ہم یونہی خموشی سے
تیرے بھی دامن میں آگ لگا دیں گے

بن گئے انگارے، زخم شہیدوں کے
آپ یہ انگارے کیسے بجھا دیں گے؟

اُن کو یہ فرقت کے گھاؤ دکھائیں کیا
ہنس کے جواباً وہ پھول کِھلادیں گے

اپنے مسیحا بھی خوب مسیحا ھیں
موت جب آئے گی، تب یہ دَوا دیں گے



اپنے بزرگوں کو ایسے نہ ٹھکراؤ
پیڑ نہ کاٹو تم، پیڑ دُعادیں گے

خوشی تلوار ہے! غم کی روانی کاٹ دیتی ہے
جو پانی کٹ نہیں سکتا، وہ پانی کاٹ دیتی ہے

محبت کی انھیں قربانیوں کا نام ہے عورت
کسی کی منتظر رہ کر جوانی کاٹ دیتی ہے

محبت سے اگر ہم لوگ باھم ملنے لگتے ہیں
ہماری ایکتا کو حکمرانی کاٹ دیتی ہے
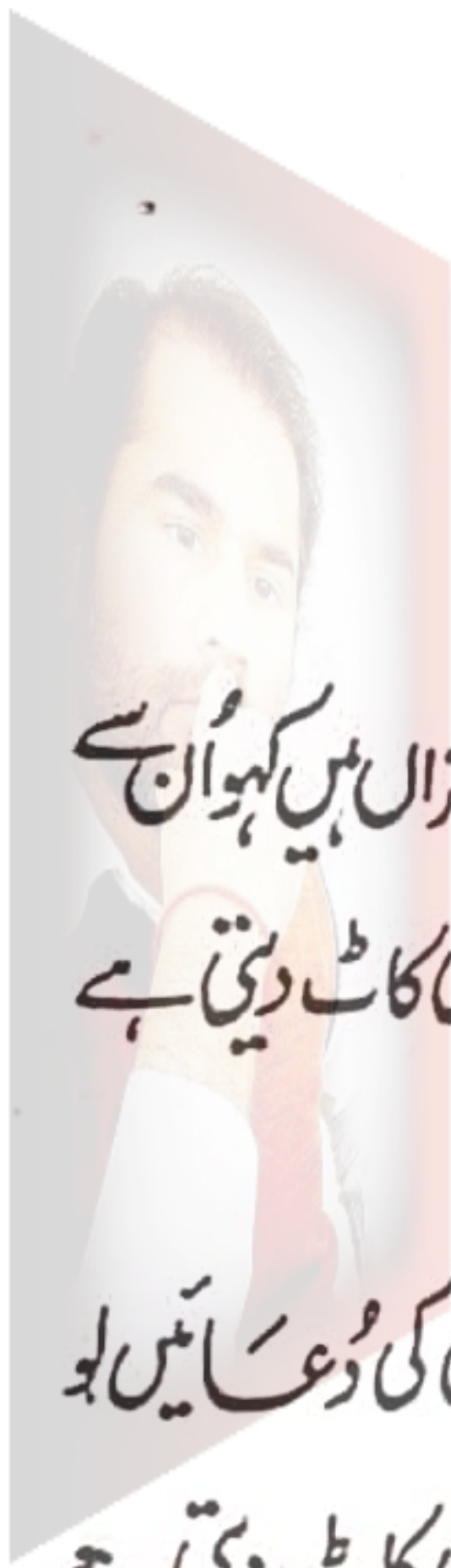
جو اپنی عظمت و شہرت پہ نازاں ہیں کہو اُن سے
نئی رُت آ کے سب شاخیں پرانی کاٹ دیتی ہے

جہاں موقع ملے تم کو بزرگوں کی دُعائیں لو
دُعا ہر اک بلائے آسمانی کاٹ دیتی ہے



مصیبت زنگ ہے اِس کو نہ معمولی سمجھ لینا
مصیبت تیز تلواروں کا پانی کاٹ دیتی ہے
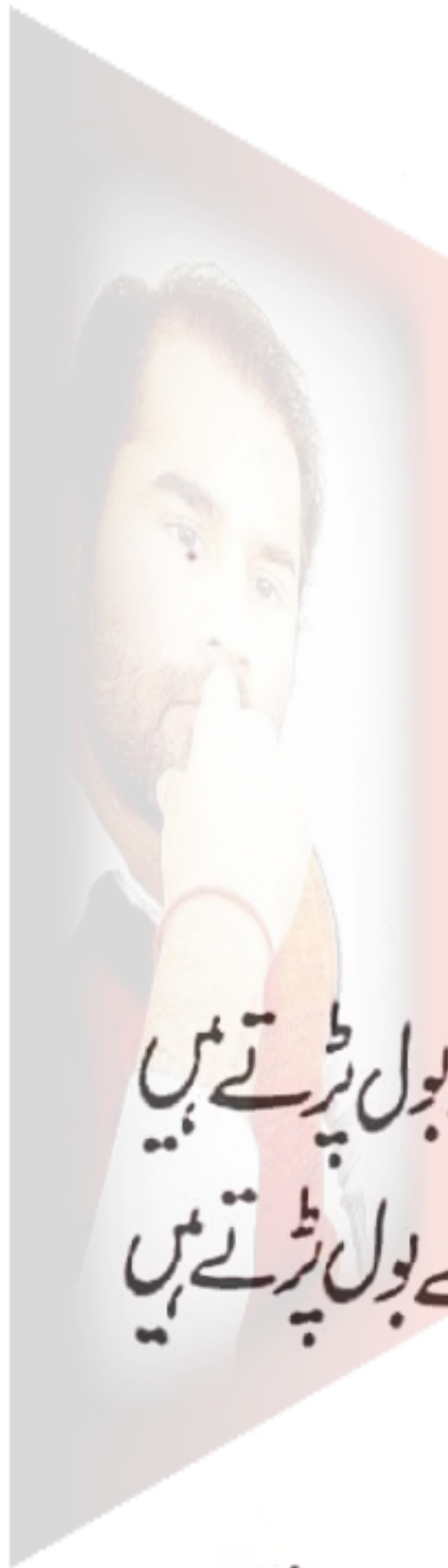
صدا دیتی ہے خوشبو چاند تارے بول پڑتے ہیں
نظر جیسی نظر ہو تو، نظارے بول پڑتے ہیں

تمہاری ہی نگاہوں نے کہا ہے، ہم سے یہ اکثر
تمہارے جسم پر تو رنگ سارے بول پڑتے ہیں

مہک جاتے ہیں گُل جیسے صبا کے چوم لینے سے
اگر لہریں مخاطب ہوں کنارے بول پڑتے ہیں
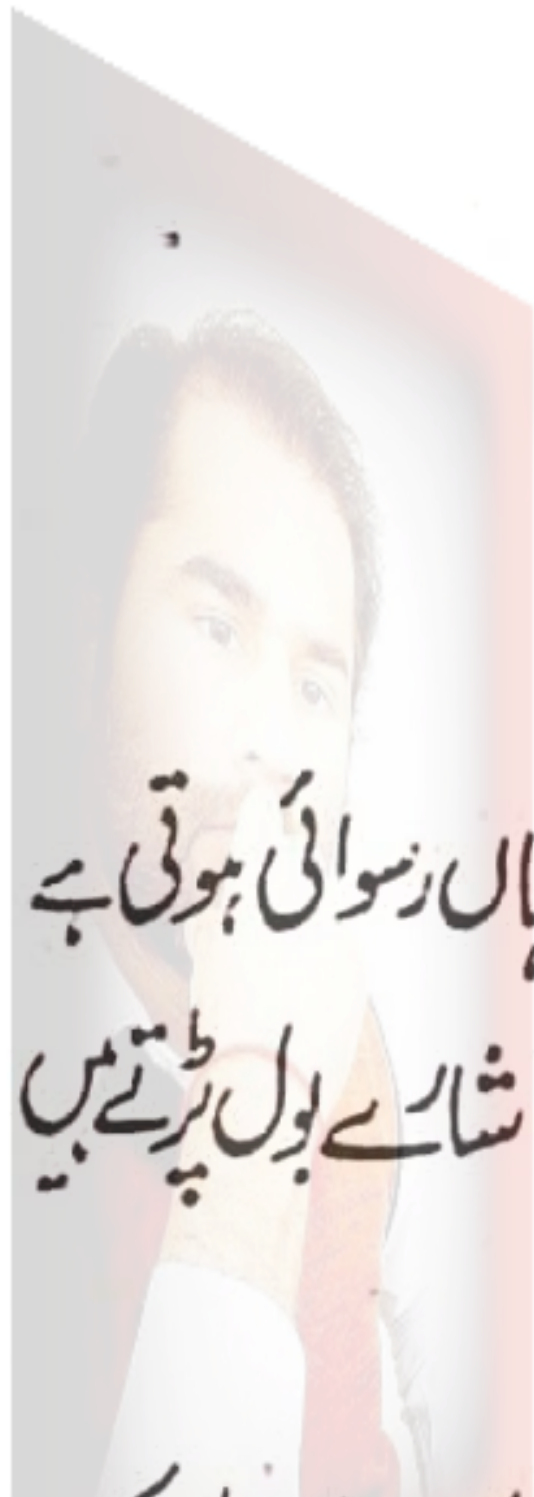
زباں سے بات کرنے میں جہاں رسوائی ہوتی ہے
وہاں خاموش آنکھوں کے اشارے بول پڑتے ہیں

چھپانا چاہتے ہیں اُن سے دِل کا حال ہم لیکن
ہمارے آنسوؤں میں غم ہمارے بول پڑتے ہیں



تری پابندیوں سے رُک نہیں سکتیں یہ فریادیں
اگر ہم چُپ رہیں تو زخم سارے بول پڑتے ہیں

جب حال مرا سُن لیتے ہیں کہتے ہیں فسانہ اچھا ہے
تم کو ہے سلیقہ کہنے کا، باتوں کا خزانہ اچھا ہے

فرماتے ہیں ہر اک خوبی ہے شائستہ مہذب میٹھی ہے
مذہب سے اگر یہ ہٹ جائے اُردو کا گھرانا اچھا ہے

تم یوں نہ غلط فہمی میں رہو، بچنے کی کوئی تدبیر کرو
بے موت ہی مارے جاؤ گے دشمن کا نشانہ اچھا ہے

توڑے جو بسیرے چڑیوں کے تخریب کے وہ سب مرکز تھے
دنیا کو یقیں آجائے گا ظالم کا بہانہ اچھا ہے

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے جو چاہیں موسم چُن لیجیے
کیا پھول کھلانا اچھا ہے یا خاک اُڑانا اچھا ہے

ہر بات پہ برہم ہو جانا، بے وجہ یوں مجھ سے کترانا
تم دل پہ رکھ کر بات کہو، کیا دل کو ستانا اچھا ہے



یاری میں تو جھکنا ٹھیک مگر، ذلت سے کہیں بھی سر نہ جھکے
عزت پہ اگر آنچ آتی ہو، تو جان گنوانا اچھا ہے

منظر جو گزرتی ہے ہم پر، دنیا کو خبر تو ہو جائے
چپ چاپ مظالم سہنے سے کچھ شور مچانا اچھا ہے

صرف قصّوں میں نشاں ملتے ہیں
اَب بھَلے لوگ کہاں ملتے ہیں

پہلے جنگل بھی بِلا کرتے تھے!
اَب تو آباد مکاں ملتے ہیں

سونے چاندی میں نہ ڈھونڈو چاہت
دِل! دکانوں پہ کہاں ملتے ہیں!

سب مواقع ہیں ترے قبضے میں
ہم کو کب تیر و کماں ملتے ہیں

کم نظر سمجھتے ہیں، کھیل یہ نظر کا ہے
عاشقی تو اے صاحب روگ عمر بھر کا ہے
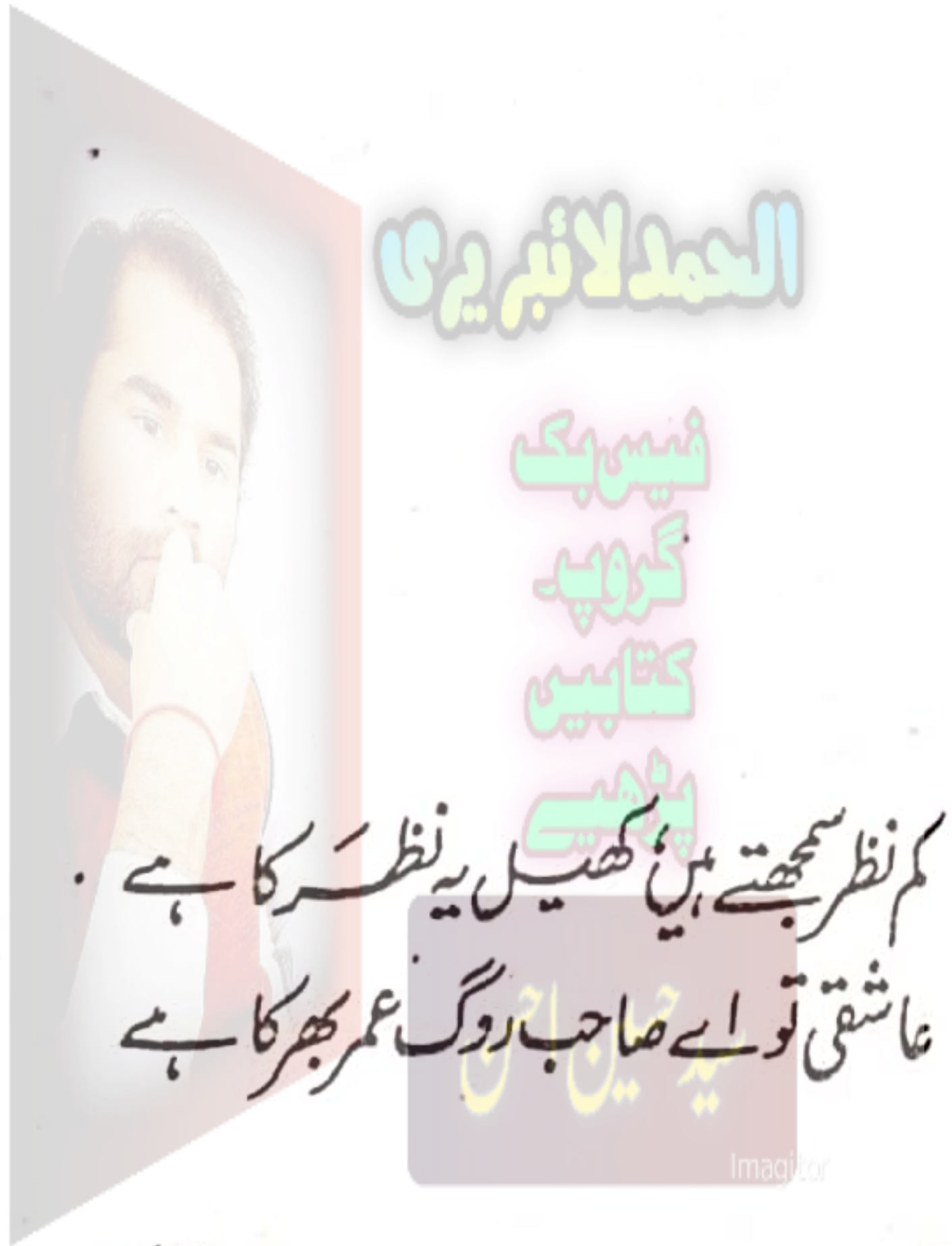
تیغ جس کے ہاتھوں میں دوست جان کر دی تھی
مدعی وہی ظالم آج میرے سر کا ہے

دشمنوں پہ ٹوٹیں گی، یا چمن کو لوٹیں گی !!
اب کے ان ہواؤں کا جانے رخ کدھر کا ہے
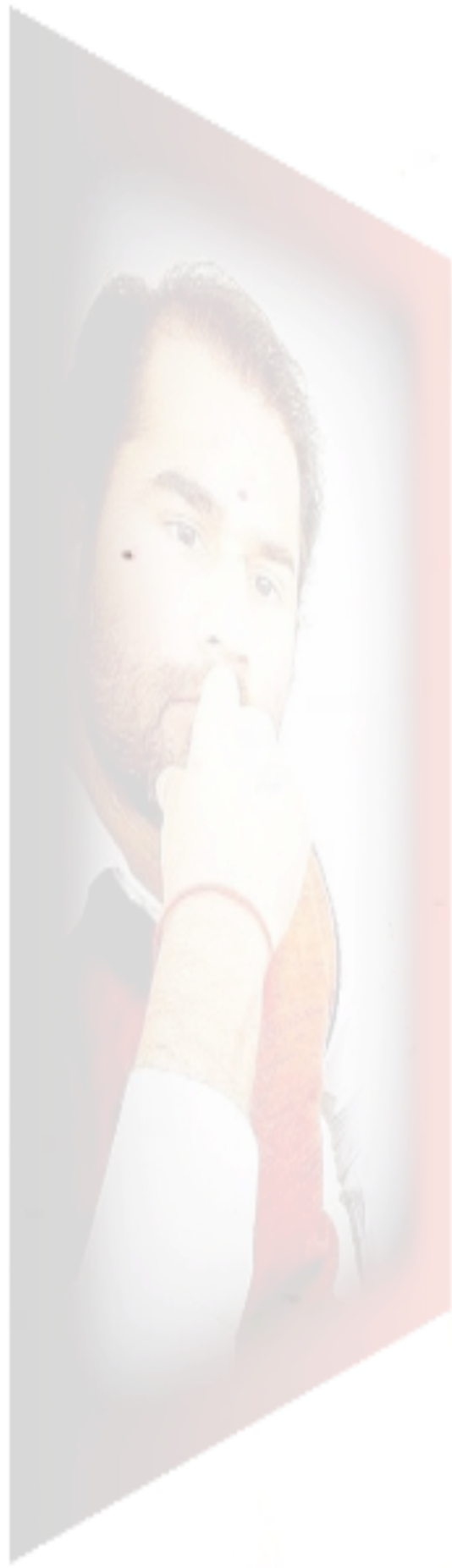
مشکلوں سے ملتی ہے قبر کی زمیں لیکن
بے گھروں کی آنکھوں میں خواب اپنے گھر کا ہے

سب سے جھک کے ملتا ہے سب سے پیار کرتا ہے
دوستو یہ باشندہ جانے کس نگر کا ہے!

ترے بدن کے حوالے سے پھول کھلتے ہیں
ہمارے سلسلے پھر خوشبوؤں سے ملتے ہیں

یہ کیسے لوگ مسیحائی کرنے آئے ہیں
علاج ہوتا ہے ان سے نہ زخم سلتے ہیں



یہ سنگریزے مرے راستے میں رہنے دے
ترے بچھائے گلابوں سے پاؤں چھلتے ہیں



ملے جو موقع بزرگوں کی صحبتوں میں رہو
پھر ایسے لوگ کہاں روز روز ملتے ہیں

تمہارا مسلک تو درگزر ہے نہ دشمنوں سے حساب کرنا
سُخن سے لوگوں کے زخم بھرنا، لہو سے کانٹے گلاب کرنا

خود اپنی تہذیب کا یہ منظر ہمیں کہانی سا لگ رہا ہے
یہ تیرا آنچل سے مُنہ چھپانا، یہ تیرا شرم و حجاب کرنا

محبتیں ہی عظیم تر ہیں، شعور اُن کو بھی ہے یہ لیکن
کچھ اُن کی فطرت ہی بن گیا ہے عذاب دینا، عتاب کرنا

انوکھی سوغاتیں پیش کرنا تم انکی محفل میں جا کے انکو
بنانا زخموں کو اپنے ساغر اور آنسوؤں کو شراب کرنا

تمہارے میرے لہو کا اب تک یہ سود کھاتے رہے ہیں منتظر
یہ دیوتا جو بنے ہوئے ہیں ذرا انہیں بے نقاب کرنا

لاوا



نئے موسموں میں ملیں گے ہم، نئی بارشوں میں نہائیں گے
یہ جو آگ دھوپ لگا گئی، اِسے دونوں مِل کے بجھائیں گے

ابھی کھڑکیاں ہیں کھُلی ہوئی، ابھی روشنی ہے مکان میں
کہ چراغ دِل کے بجھے ہوئے اسی روشنی سے جلائیں گے

یہ سیاستوں کی عنایتیں، جو مِٹا گئی ہیں روایتیں
انھیں دھیرے دھیرے سنوار کر نئے چاند تارے بنائیں گے
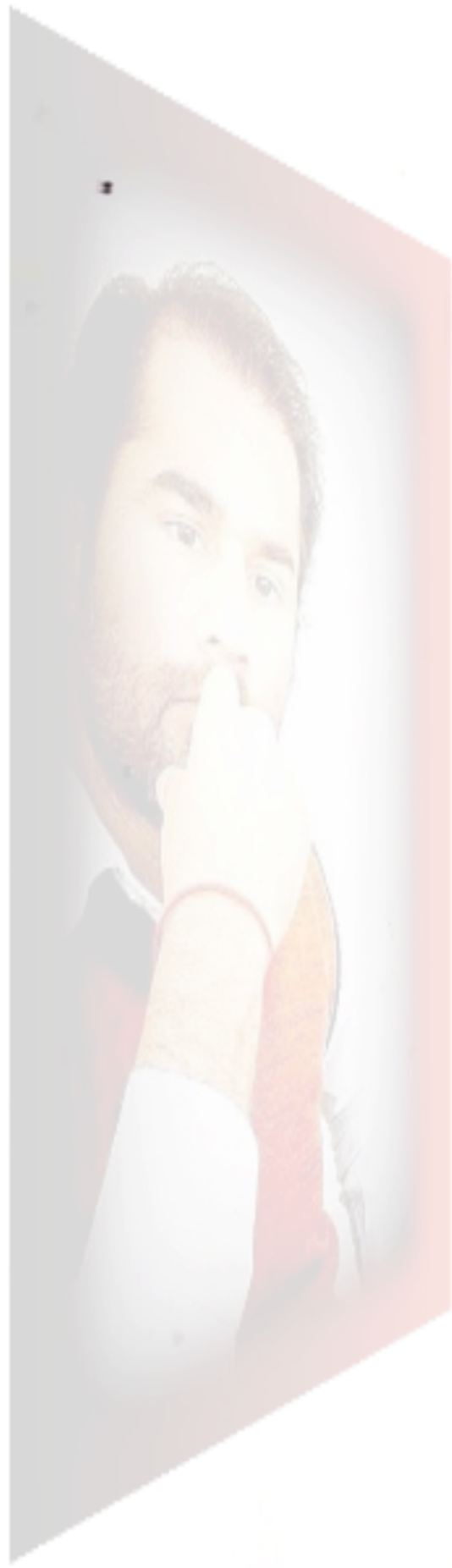
یہ خطوط تیرا بدل نہیں، مرے روبرو بھی ہو ایک دِن
یہ تسلیوں کے گلاس ہیں مری پیاس کیسے بجھائیں گے

یہ غرورِ حسن ہے چار دن، کوئی آفتاب رہا نہیں
ذرا دھوپ آنے دے شام تک تجھے آئینہ بھی دکھائیں گے

میرے اپنوں میں محبت کی کمی ہو جائے گی
کیا خبر تھی زندگی یوں اجنبی ہو جائے گی

تیری راہوں میں چراغاں کر نہیں سکتا مگر
آنسوؤں سے کچھ نہ کچھ تو روشنی ہو جائے گی

سوچتا ہوں اُس کو کس دل سے کروں گا میں وداع
چند برسوں میں مری بچی بڑی ہو جائے گی!

زِندگی ہم نے مہکائی ہے، خوشبوؤں کے مُسافر ہیں ہم
چومتی ہیں جو تیرا بدن، اُن ہواؤں کے شاعر ہیں ہم

لگ گیا زنگ ایمان کو، بھول بیٹھے ہیں قرآن کو
کل بدلتے تھے ہم قسمتیں، آج قسمت پہ شاکر ہیں ہم

مت اُلجھنا اِدھر اے ہوا، ہم ہیں معیارِ تاریخ کا
توڑ دیں گے تکبّر ترا ایسے بے باک طائر ہیں ہم
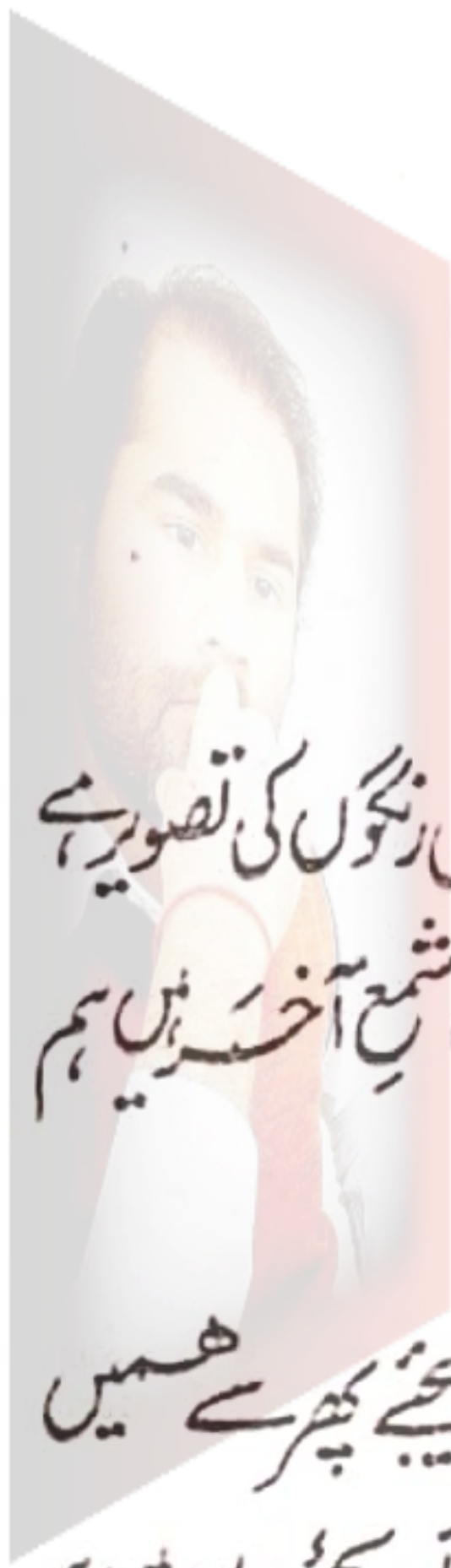
ہم ہیں جب تک یہ تنویر ہے، تو بھی رنگوں کی تصویر ہے
بجھ گئے تو قیامت بجھائے جہاں شمعِ آخر ہیں ہم

ہم قبیلوں میں تقسیم ہیں، ایک کر دیجئے بکھرے ہمیں
اس کے بدلے میں شاہِ اممؐ جو سزا دیجئے حاضر ہیں ہم

یہ اذیت بھی، ذلت بھی ہے، ہم پر یہ غم قیامت بھی ہے
جس زمیں کے لئے مر مٹے، اس زمیں پر مہاجر ہیں ہم

گلشن سے خوشبوؤں میں آئے ہیں ہم نہا کے
اِک پھول نے ہمیں بھی دیکھا ہے مُسکرا کے

تُجھ کو یہ چھیڑ رہی ہے کس بے تکلّفی سے
اے کاش ہم بھی ہوتے ہمراہ اس ہوا کے

یوں ہی نہیں مِلی ہے اِس زندگی کو رونق
کچھ گُل ہیں شفقتوں کے، کچھ رنگ ہیں دُعا کے

کیا دے سکیں گے تم کو یہ بے بسی کے آنسو
موتی انھیں بنا دو تھوڑا سا مُسکرا کے
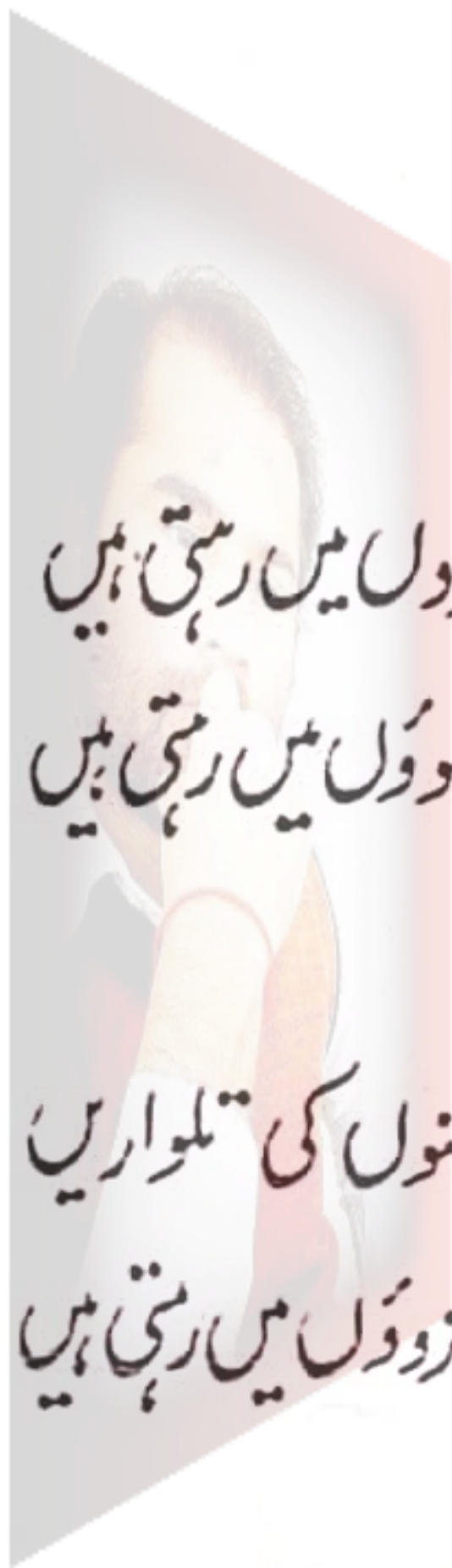
لوگ یہ سمجھتے ہیں مسجدوں میں رہتی ہیں
اُس کی رحمتیں لیکن آنسوؤں میں رہتی ہیں



ہم کو کیا ڈرائیں گی دُشمنوں کی تلواریں
ہمتیں تو مردوں کے بازوؤں میں رہتی ہیں

ایسی خوبصورت بھی ایک عمر ہوتی ہے
لڑکیاں غزل بن کر دھڑکنوں میں رہتی ہیں

روز و شب سسکتی ہیں اُن گھروں کی دیواریں
بیٹیاں بہت دِن تک جن گھروں میں رہتی ہیں

آج میری آنکھوں میں جانے کیوں اُتر آئیں
بارشوں کی جو پریاں بادلوں میں رہتی ھیں

خوشبوؤں میں لپٹی ہیں اُس کے گُل بدن جیسی
کیا ہوائیں بھی اُس کی قربتوں میں رہتی ہیں

بھوک، مفلسی، غربت، خوف، نفرتیں، دہشت
اپنے عہد کی رُوحیں دوزخوں میں رہتی ہیں



کامیاب ہوتی ہیں وہ جوانیاں منظر
محو جو بزرگوں کی خدمتوں میں رہتی ھیں!
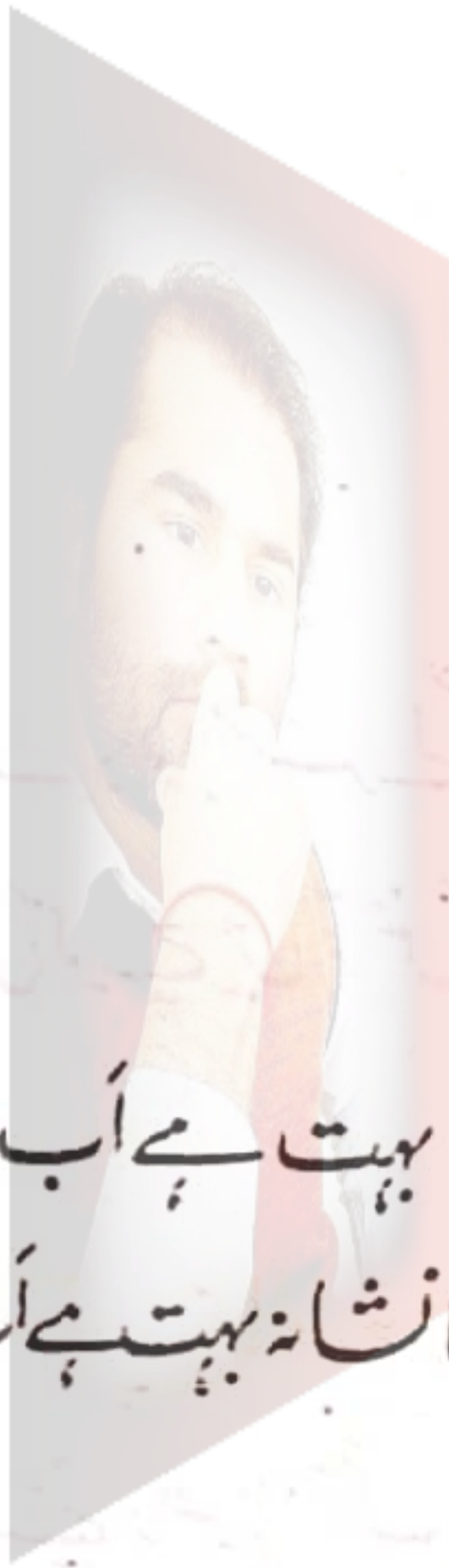
ملنا جلنا، آنا جانا، بہت ہے اَب کے

میری جانب اُن کا نشانہ بہت ہے اَب کے

طغیانی پر مت اُکساؤ مجھے ہواؤ!

بھرا ہوا میرا پیمانہ بہت ہے اَب کے

لگتا ہے اَب خیر نہیں ہے اِنسانوں کی

دھرم سیاست میں یارانہ بہت ہے اَب کے

سَر والو! سَر لے کر آؤ، وقت پکارے
اِس کوچے میں قرض چُکانا بہت ہے اَب کے

آنسو آپ بچا کر رکھنا کل کے لیے بھی!
دھبّے دھونا، آگ بُجھانا بہت ہے، اَب کے

اُس سے بچھڑ کر جانے کیسا روگ لگا ہے
آبادی میں دِل ویرانہ بہت ہے اَب کے
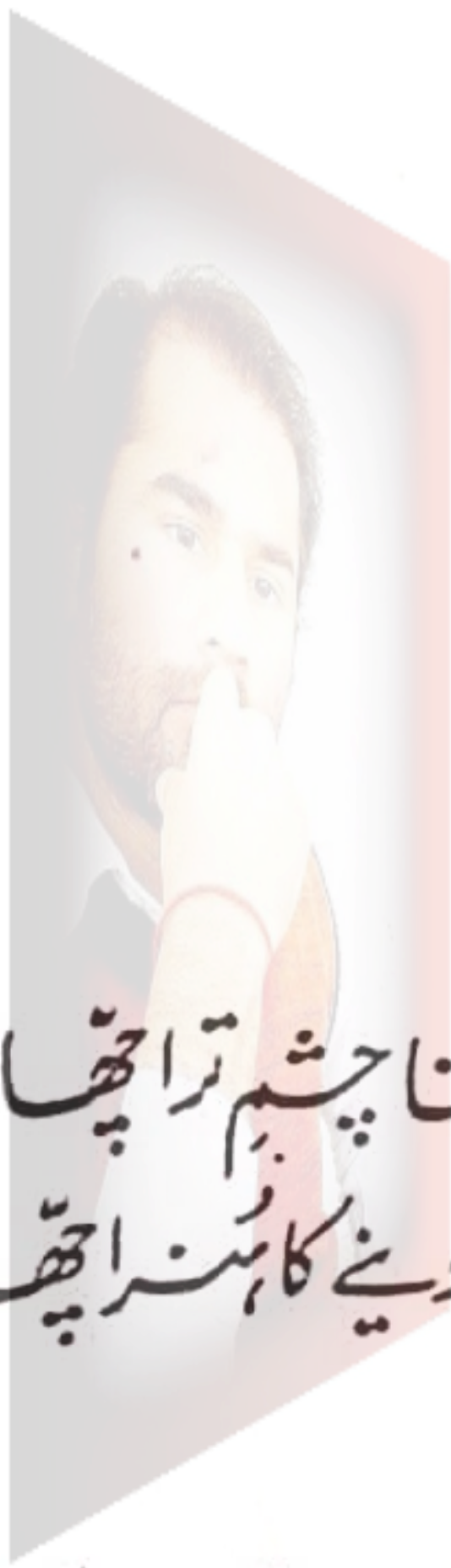
یار کے آگے چھلکنا چشمِ تر اچھا نہیں
دوستی میں داغ دینے کا ہُنر اچھا نہیں

ظلِ سُبحانی کرم ہے آپ ہی کا شہر پہ
سارے گھر بیمار ہیں اَب کوئی گھر اچھا نہیں

کُھل کے ملیے ہر غلط فہمی ہوا ہو جائے گی!
اِس قدر محتاط رہنا، اِتنا ڈر اچھا نہیں
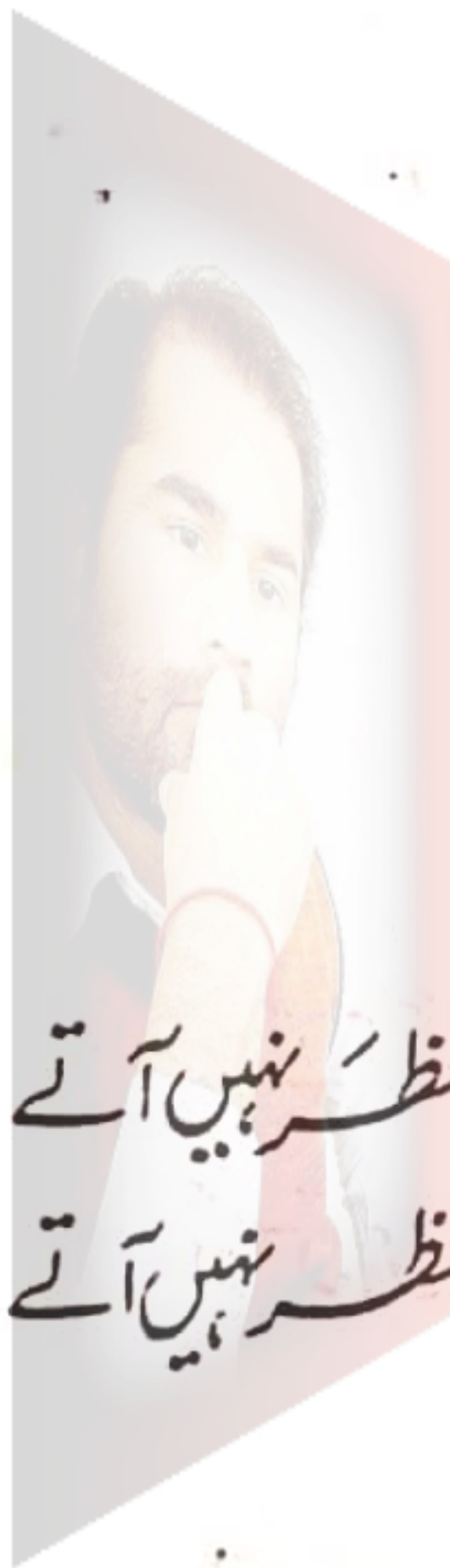
غریب لوگوں کے چہرے نظر نہیں آتے
کسی کو زخم یہ گہرے نظر نہیں آتے

ہر ایک رات گزرتی ہے ڈر کے سائے میں
کسی کو خواب سنہرے نظر نہیں آتے

گنہگار ہیں اتنی اس عہد کی آنکھیں
کہ ان کو ماؤں کے چہرے نظر نہیں آتے

ہر ایک شخص کے سر پہ ہے تاج کانٹوں کا
کہیں بھی پھولوں کے سہرے نظر نہیں آتے



ملی ہوئی ہے کھلی چھوٹ مجرموں کو یہاں
کسی بھی مجرم پہ پہرے نظر نہیں آتے

سنتا ہوں کہ میری بستی سے وہ شخص گزرنے والا ہے
آنکھوں میں جو بسنے والا ہے جو دل میں اترنے والا ہے

رہنے دے یہ اپنی ہمدردی، یہ پیار کا موسم رہنے دے
یہ گھاؤ ہے تیری باتوں کا یہ گھاؤ نہ بھرنے والا ہے

تم داغ چھپاؤ گے کب تک، تم خواب دکھاؤ گے کب تک
یہ مکر کا اجلا پیراہن کچھ دن میں اترنے والا ہے
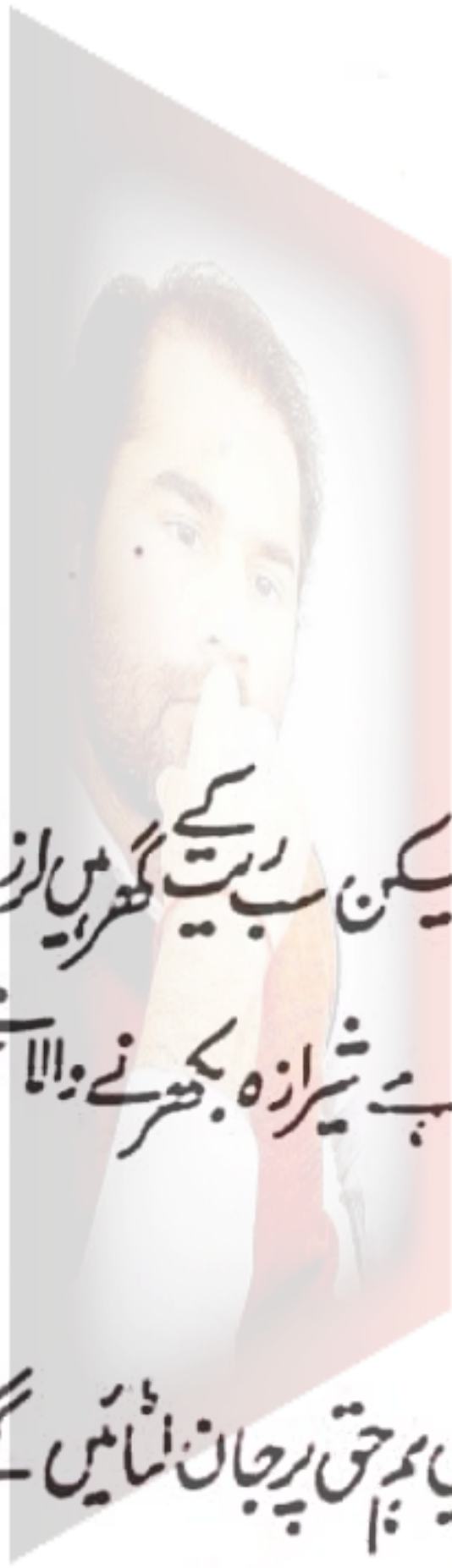
دعوے تو بہت کچھ ہیں لیکن سب ریت کے گھر ہیں لرزیدہ
آندھی میں بلا کی شدت ہے شیرازہ بکھرنے والا ہے

ہم شوقِ شہادت والے ہیں ہم حق پر جان لٹائیں گے
وہ ساتھ ہمارا ترک کرے جو موت سے ڈرنے والا ہے

چلنا ہے تو میرے ساتھ چلو، کھینچو نہ مجھے تم اپنی طرف
کب آبِ رواں رک سکتا ہے کب وقت ٹھہرنے والا ہے

اشکوں میں خوں ملا کے بڑا کام کر گئی
آنکھوں میں تیری یاد نیا رنگ بھر گئی

گھر واپسی پہ اُس کی ہنسی میں نہا گیا
دن بھر کی جو تھکن تھی وہ پل میں اُتر گئی

سمجھوتے کر رہی ہے اُجالوں سے آج کل
دیکھو سیاہ رات چراغوں سے ڈر گئی
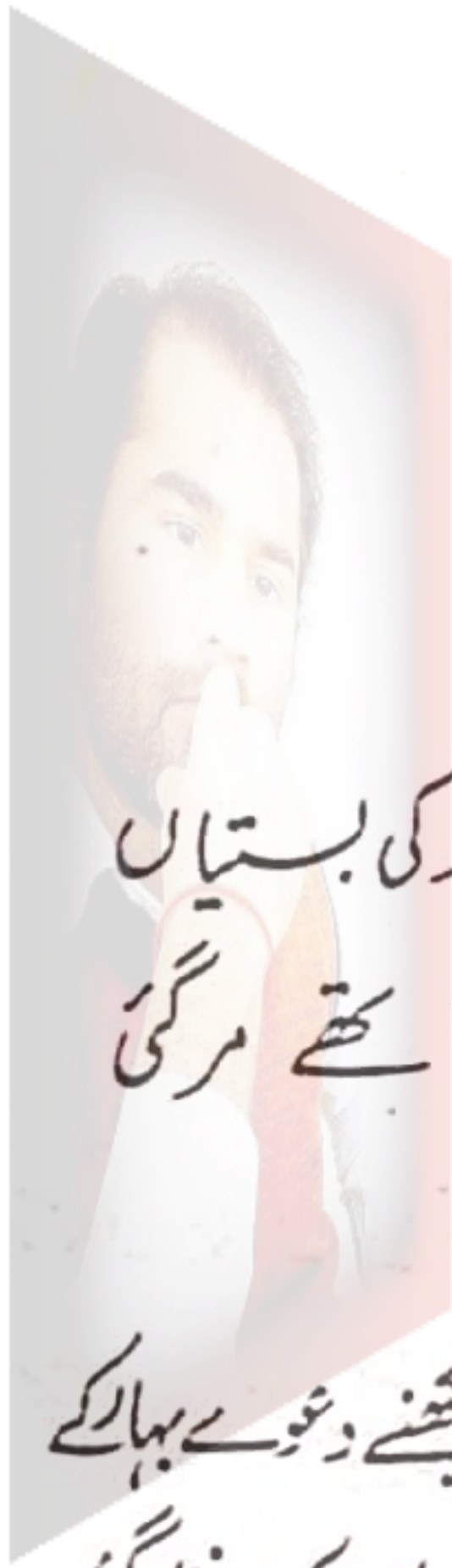
ہر گوشۂ زمیں پہ ہیں اُردو کی بستیاں
اُردو زبان آپ تو کہتے تھے مر گئی

پہنچے تھے ہم بھی دیکھنے دعوے بہار کے
زخموں کی کھیتیاں تھیں جہاں تک نظر گئی

نایاب ہو گئی ہے یہاں پیار کی مٹھاس
ہر اک زبان زہر سے نفرت کے بھر گئی
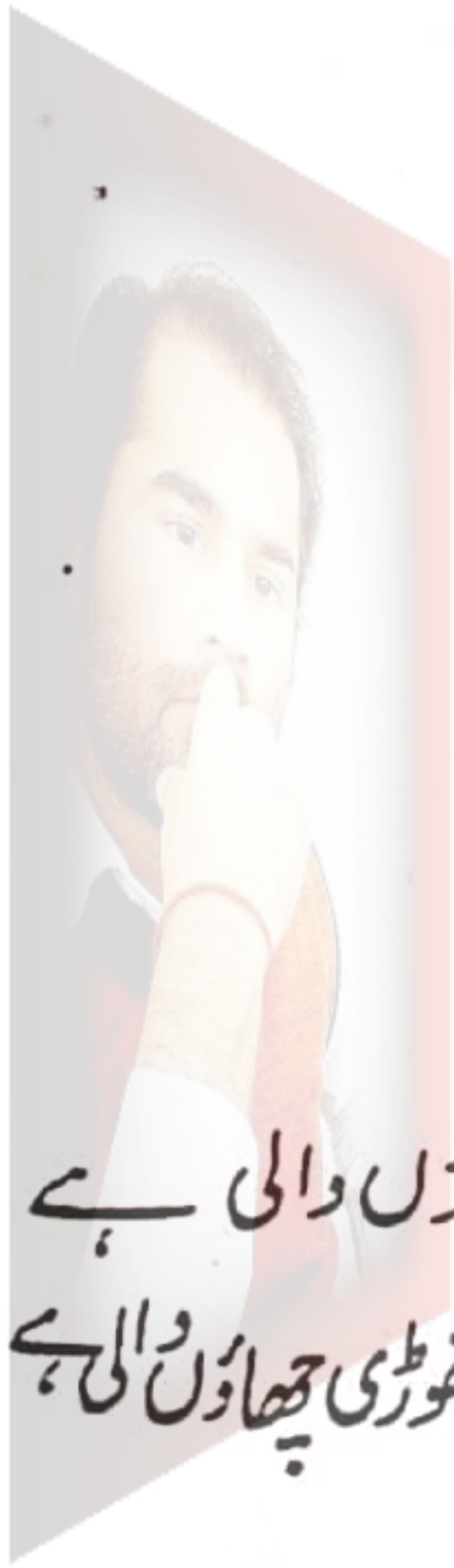
زندگی ہماری بھی کیا اداؤں والی ہے
تھوڑی دھوپ جیسی ہے تھوڑی چھاؤں والی ہے

پھر لہو میں ڈوبا ہے، آدمی کا مستقبل
یہ صدی جو آئی ہے کربلاؤں والی ہے

سب سے جھک کے ملتا ہے، سب سے پیار کرتا ہے
یہ جو ہے ادا اُس میں یہ تو گاؤں والی ہے

جس کا نام مسند ہے اب تو یہ حویلی بھی
بے ضمیر لوگوں کی آتماؤں والی ہے

اس کے ذرے ذرے میں حسن ہے محبت ہے
یہ ہماری دھرتی تو اپسراؤں والی ہے

کس کی یاد آئی ہے، کون یاد آیا ہے
پھر ہماری آنکھوں میں رت گھٹاؤں والی ہے

موت کی طرف منظر بھاگتا ہے تیزی سے
عمر کتنے صحت مند ہاتھ پاؤں والی ہے

کچھ یاروں کے ہیں یار یہاں، کچھ لوگ عداوت کرتے ہیں
لیکن یہ ہمارا مسلک ہے، ہم صرف محبت کرتے ہیں

اس دور میں ہیں قانون شکن قانون کے سارے رکھوالے
مظلوموں کو لٹتے دیکھتے ہیں چوروں کی حفاظت کرتے ہیں

وہ خود بھی بخوبی جانتے ہیں، دنیا بھی بخوبی جانتی ہے
ہم بعد میں برہم ہوتے ہیں، پہلے وہ شرارت کرتے ہیں

دلّی سے کراچی نگری تک غدار و مہاجر اپنا لقب
کوئی دوست کہے، کوئی بھائی کہے ہم لوگ یہ حسرت کرتے ہیں

میں نے شکوہ کبھی بہ انداز محبت لکھا
ہر تباہی کو ترا شوقِ شرارت لکھا

ہجر کو تیرے زمانے پہ اُجاگر نہ کیا
اپنی تنہائی کو اک عمر کی عادت لکھا

بے وفائی کے سوا تیرے سب اوصاف لکھے
پھول کی خوشبو کبھی چاند کی صورت لکھا

ہم وفادار اسی توقیر کے لائق تھے جناب
شکریہ! آپ نے مکتوب ملامت لکھا

اس طرح ظرف سے گرنا ہمیں منظور نہ تھا
ہر ستم کو ترے اک طرزِ عنایت لکھا
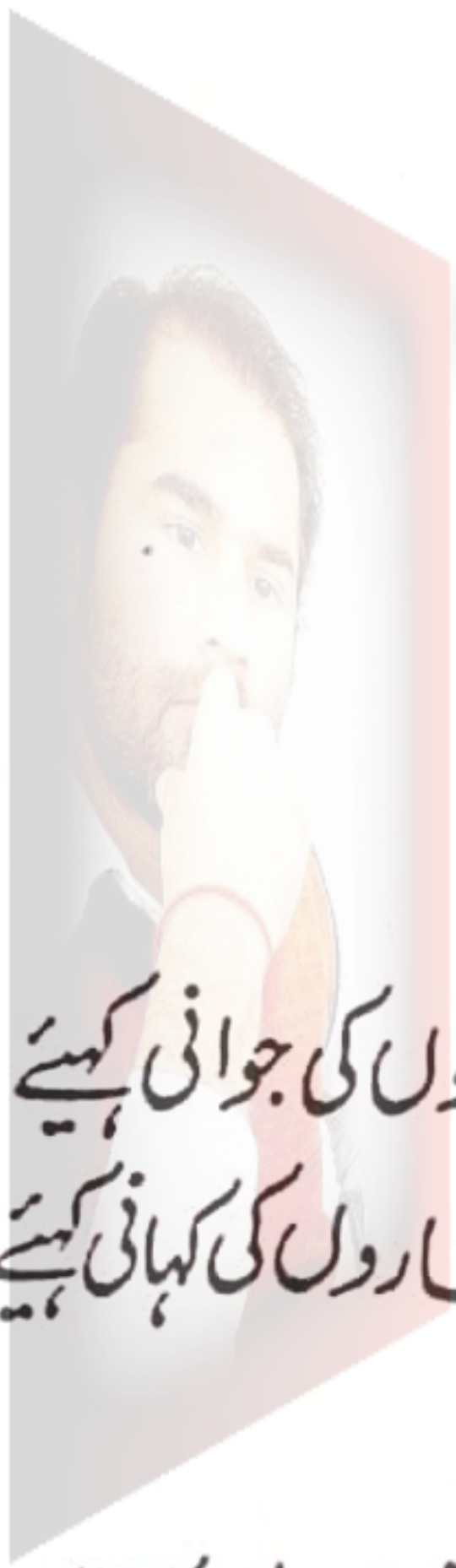
چاند کہیے اُسے، پھولوں کی جوانی کہیے
جب غزل کہیے، بہاروں کی کہانی کہیے

ہم تو سمجھے تھے کہ آنسو ہیں لہو کے قطرے
آپ نے خوب کہا خون کو پانی کہیے!

حُسن رسوا نہ ہو تہذیبِ محبت ہے یہی
کوئی پوچھے بھی تو زخموں کو نشانی کہیے

کتنے مفہوم ہیں اِک ایک ادا میں اُس کی
میرے محبوب کو تصویرِ معانی کہیے

خط میں الفاظ بناتے ہیں ادھوری تصویر
حالِ دل اُن سے جو کہیے تو زبانی کہیے

پاگل بنائے سب کو تیرے بدن کی خوشبو
ہوتے ہیں ختم تجھ پر دنیا کے سارے جادو

یہ عشق، یہ جوانی، جذبات کی روانی!
کب رکھ سکا ہے کوئی اِن آندھیوں پہ قابو

گجرے گُلوں کے پہنے سبزے کی شال اوڑھے
فِطرت کی شاہزادی پھیلا رہی ہے بازو

دولت جِدھر پڑی ہے پلڑا اُدھر جُھکا ہے
سچ تُولتی نہیں اب انصاف کی ترازو



اِنسان ہیں تو پھر کیوں دونوں میں فاصلے ہیں
تو سادھوی نہیں ہے، میں بھی نہیں ہوں سادھو

مَیں نے سمجھا تھا کیا وہ کیا نکلا
غم مری روح کا خُدا نکلا

میرے ہونٹوں پہ زخم پھول بنے
بن کے ہر لفظ اک دُعا نکلا

تم سے بچھڑے رواں ہوئے آنسو
پھر سفر پر یہ قافلہ نکلا!

ظلم کو سیکھ دی محبت کی!
غم کے دریا سے راستہ نکلا

دُور سے کہہ رہے ہو سنگ مجھے
کیا کرو گے؟ جو آئینہ نکلا

میں مسافر نئے سفر کا تھا
راستے کاٹتا ہوا نکلا!

جنگ میں قاتلوں کے ساتھ ہوا
تو کہاں آکے بے وفا نکلا

تہذیب کے کھنڈر پہ نیا گھر بنائیے
بہنیں ہیں ننگے سر انھیں چادر اڑھائیے

ہم کو معاف کرنے سے انکار ہے کہاں
پہلے قصور اپنا ذرا مان جائیے

طوفان وقت کا یہ گزر جائے گا ابھی
جلدی میں آپ اپنے دیئے مت بجھائیے

اب فیصلے کی اور کوئی صورت نہیں رہی
یا ہم کو مات دیجئے یا مات کھائیے

یوں رائیگاں نہ کیجئے سجدے خلوص کے
دل جس جگہ جھکے وہیں سر بھی جھکائیے
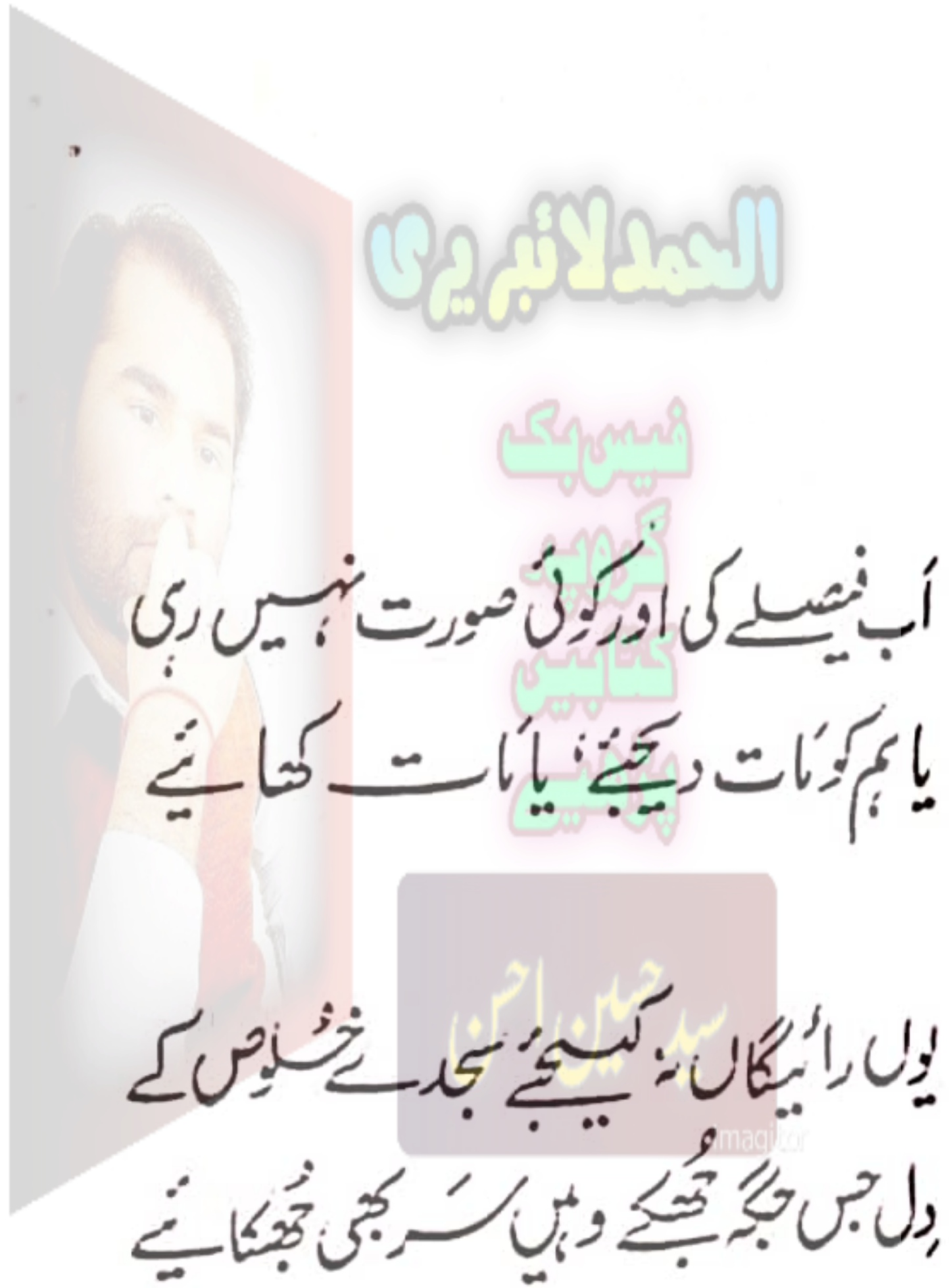
یہ شہر لوٹ لیتا ہے یاری کے نام پر
لوگوں سے رسم و راہ نہ اتنی بڑھائیے
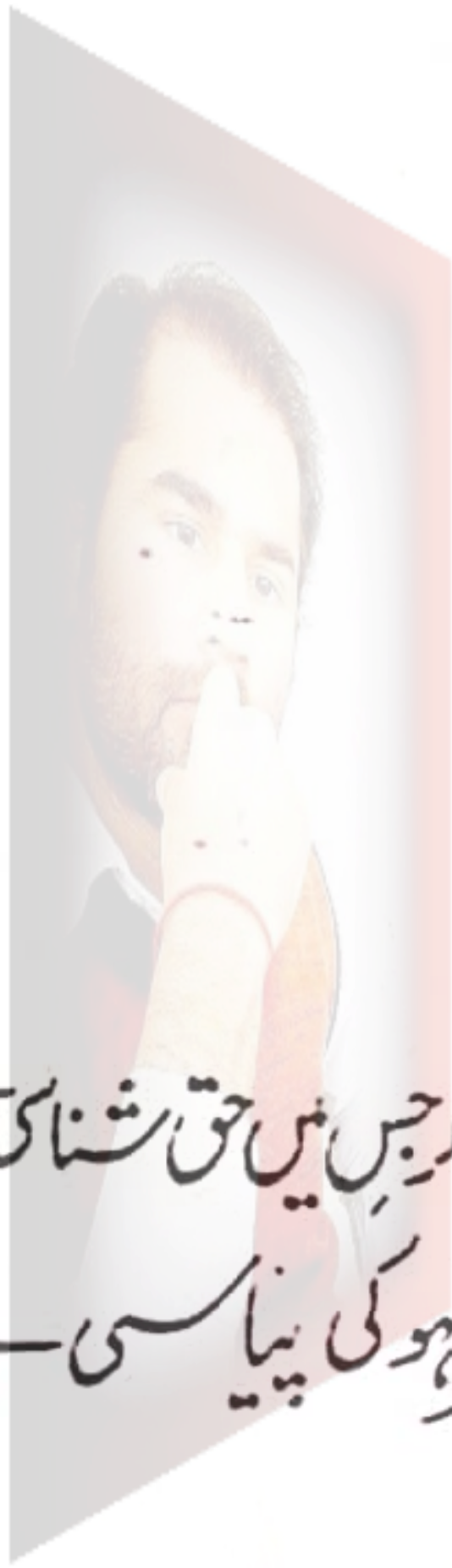
آئے گا وہ سر لے کر جس میں حق شناسی ہے
کربلا زمانے کی پھر لہو کی پیاسی ہے

اپنی سب بلائیں بھی میرے نام لکھ دیجئے
پھول جیسے چہرے پر کس لیے اُداسی ہے

زندگی کے طالب کو زندگی نہیں ملتی!
زیست کو جو ٹھکرائے زیست اُس کی داسی ہے

سارے بیل بوٹوں کے رنگ یاد ہیں اب تک
نقش جیسے آنکھوں میں تیری بے لباسی ہے

جانے اس پرندے پر رات کیسی گزرے گی
پنکھ تھک چکے جس کے دھوپ بھی ذرا سی ہے

آج کی یہ دُنیا ہے جیسے حشر کا منظر
صرف افراتفری ہے، صرف بدحواسی ہے

مہرباں ہو کے جس دن سے تُم میرے گھر آنے جانے لگے
اُجڑے دیوار و در سج گئے، روز و شب جگمگانے لگے



شکریہ میری بربادیو! کتنے چہرے اُجاگر ہوئے
جن پہ تکیہ کیا عمر بھر وہ بھی آنکھیں دِکھانے لگے



ہم تو سمجھے تھے پت جھڑ کے دِن اب کے پھولوں سے لد جائیں گے
حکمرانی میں اُن کی مگر گُل کدے خاک اُڑانے لگے

لکھ کے آنسو بھری چٹھیاں دوستو! دِل کو بہلائیے
جب کبھی دُور پردیس میں اپنا گھر یاد آنے لگے

زندگی کی سیہ رات میں راستوں کا پتہ ہی نہ تھا
دو قدم ساتھ تم کیا چلے، راستے جگمگانے لگے



ہم نہ کہتے تھے بیساکھیاں، ساتھ دیتی نہیں دُور تک
ڈگمگائیں جو بیساکھیاں، آپ بھی ڈگمگانے لگے

میری اِس میں خطا کچھ نہیں، میں نے اِن سے کہا کچھ نہیں
جانے کیوں آپ کو دیکھ کر آئینے مُسکرانے لگے



موسموں کی ہیں گُستاخیاں، یا محبت ہوئی ہے تمھیں!
ہنستی آنکھوں کو کیا ہو گیا، اشک کیوں جھلملانے لگے

بجلیوں سے بنا وہ بدن، چاند جیسی وہ صورت حسیں
ہم تو کیا ہیں فرشتوں کے دِل دیکھ کر ڈگمگانے لگے

تم آ گئے جو میرے گھر تو روشنی بھی آ گئی!
کہ رات سر سے پاؤں تک خوشی سے جگمگا گئی

چمن پہ اختیار کا بڑا غرور تھا اُسے
پڑا نہ نزاں کی پڑی تو بہار تلملا گئی

ہزاروں زخم کھا کے بھی نہ اپنی آنکھ نم ہوئی
پڑوسیوں کی بے رُخی مگر ہمیں رُلا گئی!

ذرا سا اِک چراغِ دل بُجھا سکی نہ آج تک
ہمارے جوش و عزم سے ہَوا بھی مات کھا گئی



یہ انقلابِ وقت کی علامتیں ہیں سربسر
جنوں کی آنکھ کھُل گئی، خِرد کو نیند آ گئی



بدل سکیں نہ روز و شب تمہاری میری کوششیں
دُکھوں کا دِن گذر گیا تو غم کی رات آ گئی

ہمارے نونہال بھی غُلامیوں میں پھنس گئے
یہ بھوک اپنے دَور کی تو کونپلوں کو کھا گئی!

اب اپنے تختِ ناز سے اُتر بھی آئیے حضور
اَب آپ کا اثر گیا، اَب آپ کی ہوا گئی

ذہن میں اندیشے، دل میں کوئی ڈر رکھتے نہیں
گھر جلا دیں وہ دیئے ہم اپنے گھر رکھتے نہیں

روتے رہتے ہیں مقدر کو مرے کُنبے کے لوگ
کتنے ناداں ہیں سیاست پر نظر رکھتے نہیں

کوئی عہدہ، کوئی کرسی ہم بھی پا لیتے مگر
قوم و ملت بیچنے کا ہم ہُنر رکھتے نہیں
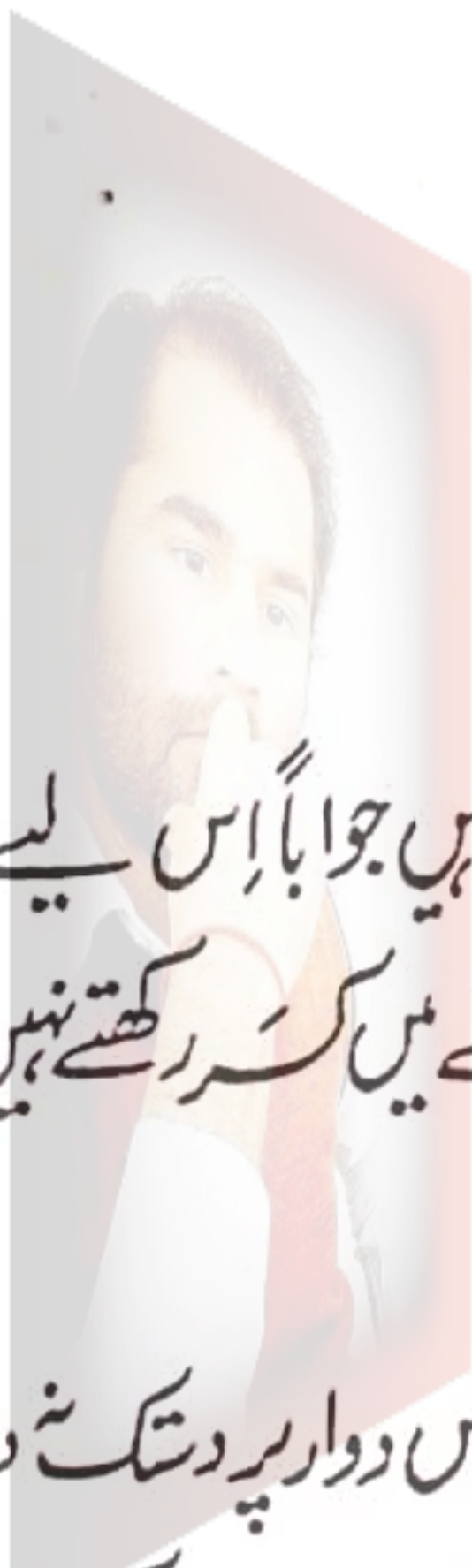
لوگ تلواریں اُٹھاتے ہیں جواباً اس لیے
آپ بھی تو ظلم ڈھانے میں کسر رکھتے نہیں

وقت کے سوداگروں اس دوار پر دستک نہ دو
جو جھکے راون کے آگے ہم وہ سر رکھتے نہیں



ہم ابھی مصروف ہیں پَر تولنے میں آندھیو !
اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ پَر رکھتے نہیں

سرکار یہ بتائیں ، مجھ پہ ہی دھیان کیوں ہے
پھر بجلیوں کی زد پہ میرا مکان کیوں ہے

بیساکھیوں پہ چل کر آخر مہان کیوں ہے
جو ہم کو بانٹتا ہے وہ حکمران کیوں ہے

ہر آنکھ چاہتی ہے یہ پھول نوچ لینا
مفلس غریب گھر میں لڑکی جوان کیوں ہے

سب کچھ بھلا کے ہم سب اس دوڑ میں لگے ہیں
اپنے مکاں سے اونچا اُس کا مکان کیوں ہے

تو حکمراں ہے پھر بھی میری طرح دُکھی ہے
یہ سوچ اپنے گھر کی اک داستان کیوں ہے

کلمے پہ شاید اپنا ایمان کم ہے ورنہ
بکھرا ہوا ہمارا یہ خاندان کیوں ہے

ہندوستانی یہ بھی، ہندوستانی ہم بھی
بے گھر پھر اپنے گھر میں اردو زبان کیوں ہے

امریکہ، چین، رشیا، اس فکر میں پڑے ہیں
سارے جہاں سے اچھا ہندوستان کیوں ہے

صبر تو دیکھو آنکھ میں دریا رکھا ہے
پھر بھی ہم نے خود کو پیاسا رکھا ہے

کم نظر سمجھتے ہیں کھیل یہ نظر کا ہے
عاشقی تو اے صاحب، روگ عمر بھر کا

در بدر بھٹکنا کیا دفتروں کے جنگل میں
بیلچے اٹھا لینا ڈگریاں جلا دینا !

پھر بہو جلانے کا حق تمہیں پہنچتا ہے
پہلے اپنے آنگن میں بیٹیاں جلا دینا

آدمی سے انسان تک آگئے تو سمجھو گے
کیوں چراغ کے نیچے روشنی نہیں ملتی

آندھیاں زور دکھائیں بھی تو کیا ہوتا ہے
گل کھلانے کا ہنر باد صبا جانتی ہے